



ماہنامہ محدث لاہور

شمار نمبر: ۴۸ جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۵ مئی ۱۹۷۶ء۔۔۔۔۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث

تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور

حافظ عبدالرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور

محدثانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون نمبر: ۳۵۸۶۶۳۹ / ۳۵۸۶۶۳۹ - ۰۴۲

موبائل: ۳۶۰۰۸۶۱ - ۰۳۰۵

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com



اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب قوم کیلئے زہرِ بلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاترہ کرافہام و تفہیم امت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوسِ بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عینِ جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ
محدث
لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

- 3 پردہ جیل نہیں، عصمت و عفت کے لئے حصار ہے
- 10 عالم اسلام کے سیاسی سربراہوں کے نام
- 17 تیرے بیمار کو دنیا کا مسیحا دیکھا
- 18 استفتاء
- 28 اخلاقِ فاضلہ - احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں
- 39 تو کائناتِ حسن ہے یا حسنِ کائنات
- 40 تعارف و تبصرہ کتب

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عظیم مقابر کی دریافت اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا تعامل

سعودی حکومت نے اس قبرستان کو سرکاری تحویل میں لینے کے لئے فوری قدم اٹھایا ہے جو ایک ہزار برس سے بھی پرانا ہے اور جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس میں چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اٹھائیس پوتوں اور نواسوں کے مرقد ہیں۔ یہ قبرستان جدہ سے مدینہ منورہ جانے والی شاہراہ پر اتفاقاً دریافت ہوا اور اسے سعودی عرب کے ایک باشندے نے وہاں سے قدیم زمانے کے مٹی کے ظروف اور دیگر قدیم برتن برآمد کر کے دریافت کیا۔ بارش نے بھی اس سلسلے میں مدد کی اور اوپر کی مٹی بہہ گئی۔ فوراً محکمہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو موقع پر بھیجا گیا۔ اب تک (۷۵) مرقد مل چکے ہیں اور ان میں سے (۲۸) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نواسوں اور پوتوں کی قبریں ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ پوتے پڑپوتے بغداد کے گورنر کے مظالم اور اذیتوں سے عاجز آکر بغداد سے ہجرت کر گئے اور مدینہ جاتے ہوئے راستے میں ایک گاؤں اور اذیتوں سے عاجز آکر بغداد سے ہجرت کر گئے اور مدینہ جاتے ہوئے راستے میں ایک گاؤں میں آباد ہو گئے جس کا نام بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پڑپوتے کے نام پر ”امام قاسم الروسی“ رکھا گیا۔

اب اس جگہ پر پہرہ متعین کر دیا گیا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اس کے گرد دیوار تعمیر کر دی گئی ہے اور اس جگہ ایک مسجد بنادی گئی ہے تاکہ عقیدت مند وہاں نماز ادا کرنے کے علاوہ قرآن خوانی بھی کر سکیں۔ (نوائے وقت)

اب یہ فیصلہ کرنا محکمہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کا کام ہے۔ بھونے اس قبرستان کو اپنی تحویل میں لیا ہے، کہ یہ مقابر اور مزارات واقعی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتوں اور پڑپوتوں کا ہے اور اس سلسلہ میں ممکن شہادتیں کیا ان کے سامنے ہیں۔ خبر میں کہا گیا ہے کہ: ان میں سے بعض قبروں پر ان کے نام بھی تحریر ہیں (امروز) اور اس قسم کے کتبوں کی شرعی حیثیت کیا ہے، یہ بھی وہاں کے علماء کرام کا کام ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک ان مزارات کو معروف ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے اور اس سلسلے کی ممکن دلائل اور شواہد کے بارے میں پہلے اطمینان کر لینا ضروری ہے۔

اگر ان مزارات کے بارے میں یہ فیصلہ ہو جائے کہ واقعی یہ انہیں بزرگوں کے مزارات ہیں تو ہمارے نزدیک اس مرحلے پر سعودی حکومت کے لئے اس میں بڑی آزمائش کے سامان ہو گئے ہیں، خدا خیر کرے۔ بہر حال ایسی صورت حال کے بارے میں صحابہ بالخصوص حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کیا طرز عمل رہا ہے۔ ہم اس سلسلے میں ان کا تعامل پیش کرتے ہیں تاکہ ٹھنڈے دل سے ہم سب اس پر غور کر سکیں۔

مغازی محمد بن اسحاق میں ابو العالیہ سے روایت ہے کہ:

جب ہم نے ”تستر“ فتح کیا تو ہر مزان کے بیت المال میں ایک چارپائی ملی جس پر ایک لاش رکھی ملی اور اس کے سرہانے ایک مصحف، اسے اٹھا کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے، حضرت کعب سے ترجمہ کرایا۔ خالد بن دینار فرماتے ہیں ہم نے پوچھا پھر اس لاش کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا تیرہ قبریں الگ الگ کھود کر رات کو ایک میں دفن کر کے اور سب کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔

حضرنا بالہمار ثلثة عشر قبرا متفرقة فلما كان باللیل دفناہ وسوینا القبور کلہا لنعبیہ علی الناس لا ینبشونہ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۶۳) جب بارش کا خط ہو تو چار پائی مذکور کو باہر رکھ دیتے، پھر بارش ہو جاتی، پوچھا وہ کس کی لاش تھی؟ جواب دیا: اس کو دانیال کہتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۶۳)

یہاں بات ”توحید“ کا تحفظ اور شرک و بدعت کے امکانات کے سدباب کی ہے، ہو سکتا ہے لوگ اسے بے ادبی خیال کریں مگر یہ صحیح نہیں، دفن تو آپ نے بھی کر دیا ہے، یہاں صرف اتنا کی ہے کہ: اس کی تشخیص کا سدباب کیا گیا ہے تاکہ رسومات بدعیہ کا احیاء نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو الہیاج اسدی کو ایک قبرستان کو مسمار کرنے پر مامور کیا تھا (مسلم) کیونکہ وہاں قبوری فتنوں کے امکانات باقی تھے۔

اس سلسلے میں مزید لکھنے کی حاجت نہیں رہی۔ صرف دل سے پوچھنے کی بات ہے کہ: ایمان اور توحید مطلوب ہے یا ایمان اور توحید سے کھیلنا؟

پردہ جیل نہیں، عصمت و عفت کے لئے حصار ہے

تکلف نہیں، ایک دینی فریضہ ہے

پچھلے دنوں وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلز پارٹی کے ایک اجلاس کی افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا: ”ایک طرف تو آپ انقلاب کی باتیں کرتے ہیں لیکن دوسری طرف دو دنوں تک آپ لوگوں نے خواتین کو ”جیل“ میں رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے زور دار آواز میں کہا: سرداری نظام سے پہلے اس استحصال کو ختم کیجیے اور خواتین کو پردوں کی اوٹ سے باہر نکالے، انہوں نے پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی خواتین کو دعوت دی کہ وہ بھی مردوں کے دوش بدوش آکر بیٹھیں، پی پی آئی کے مطابق چند ہی لمحوں میں خواتین باہر نکل آئیں اور ڈاکس کے سامنے آکر بیٹھ گئیں۔ وزیر اعظم نے اس مرلے پر پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر مبشر حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ اپنے کو بڑا، انقلابی سمجھتے ہیں لیکن آپ خواتین کو پردے کے پیچھے سے یہاں نہیں لاسکے۔ وزیر اعظم نے کہا: اگر قائد اعظم کی ہمیشہ مادرِ ملت فاطمہ جناح سیاست اور انتخابات میں حصہ لے سکتی تھیں، اور پاکستان کے وزیر اعظم کی بیوی بیگم رعنالیافت علی سندھ کی گورنر بن سکتی تھیں جواب بھی اپوا کی چیز مین ہیں اور اگر بیگم بھٹو تقریریں کر سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دیگر خواتین ایسا نہیں کر سکتیں۔ انہوں نے کہا کہ مندوین نے استحصال کے خاتمے کی باتیں کی ہیں۔ سوشلسٹ انقلاب اور سرداری نظام کے خاتمے اور مساوات کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ گو ہمیں اسلام پر ایمان ہے تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مساوات اسلام کے اصولوں میں سے ایک ہے، انہوں نے کہا اسلام نے ایک انقلاب برپا کیا ہے اور ہمیں اپنے دین کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنا چاہئے لیکن ہمارا عمل کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے؟ انہوں نے پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی خواتین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

آپ لوگوں نے خواتین کو دہری دیوار کے پیچھے رکھا ہوا ہے۔ پہلی دیوار برقع ہے اور دوسری دیوار وہ چلن ہے جہاں آپ نے ان کو بٹھایا ہے۔“

(روزنامہ نوائے وقت۔ لاہور)

اس موضوع پر اس وقت بھی موصوف نے اظہار خیال فرمایا تھا جب وہ سیرت کانگریس کے مندوبین کو آخری روز کراچی میں الوداعی دعوت میں خطاب کر رہے تھے۔ (نوائے وقت)

چونکہ محترم وزیر اعظم نے پردہ کے بارے میں مندرجہ بالا خیالات کا اظہار کر کے تصویب کے لئے اسلامی اصولوں اور مساوات کا ذکر فرمایا ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ کتاب و سنت کی واضح تصریحات پیش کرنے پر اکتفا کریں۔ باقی رہا مثالوں کے لئے محترمت کا ذکر تو ان کے پورے احترام کے باوجود ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ان کی بجائے ہمارے لئے بہترین مثالیں امہات المؤمنین اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں سے ہونی چاہئیں جن کا قول و کردار اس سلسلہ میں واضح ہے۔ حکمران خواتین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قوم نے اپنی سیاسی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں تھادی بس وہ پھر گرداب بلا سے نہ نکلی۔

لن یفلح القوم ولو امرهم امرأة (بخاری)

بلکہ ایسے حال میں اسے یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ زمین پر بوجھ بن کر رہے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ زمین کی تہوں میں جا کر وہ اپنا منہ چھپا لے۔

فبطن الارض خیر لکم من ظہرها (ترمذی)

پردہ جو دراصل صنفِ نازک کی قابلِ احترام عصمت و عفت کے لئے ایک حصار کی حیثیت رکھتا ہے، گر کی چار دیواری جو حصار اور عرفاً ”جیل“ کی چار دیواری سے مماثل ہے۔ اسے ڈھادینے کو کوئی بھی مجاہد آگے نہیں بڑھتا۔ حالانکہ وہ چار دیواری جیل کے بالکل مشابہ ہے۔ مگر اس کی طرف ہاتھ بڑھانا کوئی مناسب نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ ”جیل“ نہیں، پناہ گاہیں ہیں۔ یہی کیفیت پردہ کی ہے۔ مگر یار دوستوں نے افسوس! اس سادہ سی بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں رمائی۔ اگر پردہ کی اوٹ اور برقع جیل ہیں تو ملک و ملت کے در و دیوار کو بھی اڑا دینا چاہئے تھا کیونکہ یہ در و دیوار بظاہر بند کو ٹھڑیاں بھی ہیں اور اپنی قوم سے بدگمانی کا ثبوت بھی کہ وہ اس کو چور یا ڈاکو تصور کرتے ہیں۔

یہاں پردے دو نہیں تھے ایک تھا۔ اوٹ میں تھیں تو دوسری نقاب نہیں تھی، نقاب تھی تو اوٹ نہیں تھی۔ خدا جانے موصوف کو یہ دہری دیوار کیسے دکھائی دینے لگی ہے۔

گو پردہ سبھی کچھ نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہت کچھ ضرور ہے۔ ”پردہ“ عصمتوں اور عفتوں کے تحفظ کے لئے ایک قدرتی حصار ہے جسے ایک بار ڈھادینے کے بعد خواتین کو واپس لانا مشکل ہوگا، بہر حال پردہ کرا کے ان کو قرآنی تربیت کے مواقع مہیا نہیں کیے تو یہ آپ کا قصور ہے، مگر سزا ان کو دی جا رہی ہے یہ بہت بڑی بے انصاف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پردہ تکلف نہیں ہے، ایک قرآنی فریضہ ہے، قرآن حمید کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (احزاب ۷۷)

اے نبی! اپنی ازواج (مطہرات) اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمائیں کہ: وہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔
جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے سارا جسم ڈھانپ لیا جاتا ہے۔

وَهُمْ ثَوْبٌ أَكْبَرُ مِنَ الْخِمَارِ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يَسْتَرْجِعُ الْبَدَنَ (قرطبی)

آج کل دیہات میں اس جلباب کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں کہ خاندانی عورتیں بڑی سی چادر لپیٹ لیتی ہیں اور منہ پر بھی اسے لٹکا لیتی ہیں۔
پاکستان کی سب سے پہلی قومی اسمبلی کے معزز رکن، بانی پاکستان کے دستِ راست اور نیشنل اسمبلی کے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء) مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکائیں (سورۃ احزاب صفحہ ۵۵۲ حاشیہ نمبر ۷)

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ فَسَلِّتُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ (ایضاً)

جب ان سے کچھ مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔

علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ: اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں، کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں۔“ (سورۃ احزاب)

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ:

اس (آیت کے نزول) کے بعد ازواج مطہرات، بجز نسبی و رضاعی اقارب کے سب سے حجاب کرتی تھیں اور امام حسن و حسین کے سامنے بھی نہیں آتی تھیں بلکہ ناینامردوں سے بھی پردہ کرتی تھیں۔ (کشف النقاب عن مسئلۃ الحجاب)
اس آیت کے بعد ایک صحابی بولے:

ایحجبنا محمد عن نبات عمناء (در منشور)

محمد ﷺ اپنی چچازاد بہنوں کو بھی ہم سے پردہ کرائیں گے (ایضاً)

گویا کہ پردہ چچازاد بھائیوں سے بھی ضروری ہے۔

لیکن افسوس! محترم وزیراعظم: ان کو اوٹ سے باہر لا کر قوم سے داد چاہتے ہیں بلکہ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کو ناکامی پر کوسٹے بھی ہیں۔

جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے

فرمایا: غیر محرم کے سامنے آنکھیں نیچی رکھیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ (سورۃ نور ۴)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معلوم ہوا کہ عورت کا مردوں کے سامنے ہونا اور مردوں کا ان کی دید سے لطف اندوز ہونا، اسلام نہیں بے دینی ہے۔
رحمۃ للعالمین ﷺ سے بڑھ کر پاک ہستی اور کون ہو سکتی ہے مگر آپ کا تعامل یہ تھا کہ کسی عورت سے چیز لیتے تو پردے کے پیچھے سے لیتے،
حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ:

ادمت امرأة من وراء سترٍ بیدھا کتاب الی رسول اللہ ﷺ (مشکوٰۃ)
یعنی ایک صحابی خاتون نے پردے کے پیچھے سے ایک کتاب (مکتوب) رسول اللہ ﷺ کو پکڑائی۔
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حج کے موقع پر جب لوگ ہمارے پاس سے گزرتے ہیں تو ہم اپنی چادروں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیتیں، جب گزر جاتے تو کھول لیتیں۔

فاذا حاذوبنا سدت اذھنا جلبابھا من وراء راسھا علی وجھھا فاذا جاودونا کشفناھا (ابو داؤد) فیوبنا
الربک فتستدل المرأة الثوب من فوق راسھا علی وجھھا (دارقطنی)
ایک صحابیہ اپنے شہید بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے حضور کے پاس آئی تو گھونگھٹ کئے ہوئے تھی، ایک صحابی نے کہا کہ: پوچھنے حال آئی ہو
اور نقاب پوش ہو کر؟ وہ بولی: میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے، حیا کو تو نہیں کھویا۔

فقال لها بعض اصحاب النبی ﷺ جئت تسألین عن ائک واتت منتقبة فقالت ان اوزاً ابی فلن ارزأ حیائی
(ابو داؤد)

حضرت عائشہ غلام سے پردہ نہیں کیا کرتی تھیں، ایک دن حضرت سالم نے جو جلیل القدر تابعی، امام اور متدین بزرگ تھے، آکر حضرت عائشہ
سے کہا کہ خدا نے مجھے آج آزاد کر دیا ہے، بس پھر کیا تھا، حضرت عائشہ اٹھیں اور پردہ گرا دیا اور پھر عمر بھر ان کے سامنے نہیں ہوئیں۔

كنت ايتها مكاتبا ما تحتفى منى فتجلس بين يدى وتحدث معى حتى جئتها ذات يوم فقلت ادعى لى بالبركة يا
ام المؤمنين قالت وما ذلك قلت اعتقنى الله قالت بارك الله لك وارخت الحجاب دونى فلم ارها بعد ذلك اليوم
(نسائی)

یہ پردہ سابقہ امتوں میں بھی موجود رہا ہے۔
حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لئے تشریف لائیں تو گھونگھٹ نکالے ہوئے تھیں۔

وضعت ثوبها علی وجھھا قالت ان ابی یدعوك (ابن ابی شیبہ - اسنادہ صحیح - ابن کثیر)
پردہ شرعی کے سلسلہ کی یہ وہ واضح آیات اور صریح احادیث و روایات ہیں جو اپنے مفہوم میں کسی تاویل کی متحمل نہیں ہیں۔ اس کے باوجود اگر
ارباب اقتدار اپنے غلط اقدام پر نظر ثانی کرنے کی توفیق نہیں پاسکتے تو خدا ہی ان کو سمجھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مستحق سمجھے گا تو اسلامی نظام برپا کر دے گا

جماعت اسلامی کے بانی حضرت مولانا مودودی ٹیکسلا سے آئے ہوئے چالیس رکنی وفد سے ملے اور ان سے باتیں کیں، انہوں نے مولانا سے

پوچھا:

اسلامی انقلاب کے لئے کم از کم کتنے اسباب و وسائل اور کتنی تیاری اور کن اوصاف کی ضرورت ہے؟
مولانا نے فرمایا کہ:

ہر ملک کے حالات الگ ہوتے ہیں تاہم اصولی طور پر یہ سمجھ لیجیے کہ اس مقصد کے لئے کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہونی چاہئے جو پوری طرح اسلام کی روح سے سرشار ہوں اور اسلامی نظام کے قیام کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہوں، لیکن اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کی کوششوں سے اسلام ضرور ہی قائم ہو جائے گا۔ یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس قوم کو مستحق سمجھے گا تو وہ یہاں اسلامی نظام برپا کر دے گا اور اگر قوم ہی اس کی مستحق نہ ہو اور وہ نیک لوگوں کی جگہ برے لوگوں ہی کو پسند کرتی ہو تو اللہ زبردستی یہ نعمت اس کو عطا نہیں فرمائے گا۔

(نوائے وقت ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء)

مولانا کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے! انہوں نے ایک بہت بڑی ذہنی بوجھ اور قلبی خاش کو دور کر دیا ہے۔ لوگ عموماً سوچتے ہیں کہ دینی تحریکیں اٹھتی ہیں اور من تن اور دھن کی ساری قوتیں صرف کر ڈالتی ہیں مگر سنگدل قوم کی مصلحت کیشتی، غفلت، خود فروشی اور خدا فراموشی کی مہیب چٹانوں سے اپنا سر پھوڑ کر خاسر و ناکام لوٹ جاتی ہیں۔

اسلام دشمن طاقتیں، منافق اور بداندیش تحریکیں اس ناکامی سے فائدہ اٹھا کر شور برپا کر دیتی ہیں کہ: جو دعوت لے کر اسلام کی نام لیوا جماعتیں اٹھی تھیں وہ برحق ہوتیں یا داعی لوگوں کے دل صاف ہوتے تو ان کا یہ حشر نہ ہوتا۔ لہذا عوام کو چاہئے کہ ان کی راہ دیکھنا چھوڑ دیں بلکہ یہ شاطر لوگ ملک اور قوم کی مصیبتوں کو بھی انہی باخدا بزرگوں کی نااہلی یا نحوست کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔

وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيِّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ (اعراف ۱۶)

اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے۔ چنانچہ نیم پڑھا لکھا طبقہ اور سادہ لوح عوام ان کے بھرے میں آکر ادھر کو اٹھ دوڑتے ہیں، جدھر سے اغوا کرنے والوں کا شور ان کو سنائی دیتا ہے۔

مولانا کے مندرجہ بالا جواب سے یہ سارے خدشے، بدگمانیاں اور حوصلہ شکن وساوس کا فور ہو جاتے ہیں۔ کہ کلمہ حق بہر حال حق ہے، لیکن بندوں کے لئے اس نعمت کی ارزانی اس وقت ممکن ہوگی جب اس کے چاہنے والے بھی ہوں، اگر لوگ حاملین حق کے بجائے دشمنان حق کو صالحین کے بجائے برے لوگوں کو اور کتاب و سنت کے پاسبانوں کے بجائے قرآن و حدیث کے باغیوں سے ناطے جوڑنے میں فخر محسوس کرتے ہوں تو پھر حق تعالیٰ اسے زبردستی کسی کی جھولی میں نہیں ڈالتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سب جانتے ہیں، سب انبیاء برحق ہوتے ہیں، ان کی دعوت سراپا حق ہوتی ہے لیکن سینکڑوں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تنہا رہے۔
معدودے چند لوگوں کے سوا کسی نے بھی ان کی نہ سنی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان داعیوں کی آواز دعوت میں کوئی کمی تھی۔
اسلامی نظام، انفرادی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی ہیئت ہے، اگر پوری قوم یا اس کی اکثریت اس کے حق میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ اسے
کس طرح ان میں قائم فرمائے گا؟ ایسی قوم کی بد نصیبی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:
اگر ان کو صراط مستقیم پیش کریں تو اسے اختیار نہیں کریں گے اگر غلط راہ پر ڈالیں گے تو اس پر دوڑ پڑیں گے۔

وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا (اعراف ع ۱۷)
فرمایا: پھر وہی کچھ کاٹیں گے جو بویں گے۔

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاعراف ع)
نیکی کرو گے تو اس کا پھل بھی خود ہی کھاؤ گے۔

مَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ (نمل ع ۳۷)
ورنہ خدا کو کیا پروا:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيَ غَنِيٌّ كَرِيمٌ (نمل ع ۳۷)
ایسے لوگ رسوا رہیں گے جو خدا اور رسول کی راہ نہیں لیتے۔

إِنَّ الدِّينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْآذِلِينَ (مجادلہ ع ۲۸)
دولت دین خدا کا احسان ہے۔

بَلِ اللَّهُ يَمَنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ (الحجرات ع ۱)
کتاب برحق کی وراثت بہت بڑا فضل ہے۔

ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (فاطر ع ۴)
خدا کی رحمت ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةٌ لَا تَبْعُمُ الشَّيْطَانَ (نساء)
مگر یہ صرف ان کو ملتی ہے جو اس کے حصول کے لئے سنجیدہ طالب، عامل، مبلغ اور مخلص ہیں۔

رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ - الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف ع ۱۹)

اب آپ غور فرمائیں جو قوم اس سلسلے میں صرف قوالوں کے بول بول کر کہ: مدینے بلا لومجھے یا عید میلاد مناکر نفس و طاغوت کے آستان پر سجدہ
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ریز رہتی ہے، وہ حق تعالیٰ کی ان رحمتوں کی کس طرح سزاوار ہو سکتی ہے جو صرف اپنانے اور قہام کر چلنے پر مبنی ہے۔ کھیت سے فصل لینے کے لئے صرف نیک امیدوں پر قناعت نہیں کی جاتی بلکہ مناسب محنت بھی کی جاتی ہے، کارخانے کی تعریف و توصیف سے کارخانہ کچھ نہیں اگلتا جب تک اسے کوئی چلاتا اور مناسب اقدام نہیں کرتا۔ پیٹ میں پانی کا گھونٹ اس وقت تک نہیں پڑتا جب تک کوئی پینے کے لئے ضروری امور انجام نہیں دیتا، لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ: دنیا سمجھتی ہے کہ اسلام کو زبانی کلامی خراج تحسین پیش کرنے حضور کی سچی اطاعت کے بجائے آپ کی مدح سرائی اور قوالی پر قناعت کرنے صوبائی اور قومی اسمبلی کے اجلاس اور ریڈیو کا آغاز تلاوت قرآن کے ساتھ کرنے کے بعد اپنی ذمہ داری سے عہدہ براہو گئی تو وہ بہت بڑی بھول میں ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے وہ اسلامی نظام جو نوع انسان کی دنیوی اور اخروی فوز و فلاح کا ضامن ہے برپا ہو جائے گا یا ہو جانا چاہئے، وہ دراصل خوش فہمیوں کے گنبد میں رہتے ہیں۔ یقین کیجیے! یہ دولت نیکو کار، خدا ترس، اور آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے والے صالحین کے سوا ہاتھ نہیں آئے گی، اور صرف وہی بندگانِ خدا اقامتِ دین کے فریضہ سے عہدہ برآہو سکیں گے، باقی رہے ہماشا؟ سوال کی بابت مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ان کی زندگی خود اس امر کی گواہ ہے کہ ان کو اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں، ان کے سیاسی شب و روز بتاتے ہیں کہ ان کو اپنے سیاسی مستقبل کا کوئی حریف نظر آتا ہے تو وہ صرف خدا کا دین ہے۔ ان کو قرآن اور رسول سے اپنی کرسی اور اپنا مستقبل زیادہ عزیز ہے۔ اس صورتِ حال کے بعد اسلام کے سلسلے میں ان کے وقتی بیانیوں سے اگر کوئی یہ اخذ کرتا ہے کہ یہ لوگ واقعی اسلام سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں، یا اسلام کے سلسلے میں ان کی آنکھوں میں حیا کی کوئی رمت ہے، تو ایسے زود اعتقاد لوگوں کے بارے میں ہم دعا کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

السنة والحديث

مولانا عزیز زبیدی

عالم اسلام کے سیاسی سربراہوں کے نام

(قسط ۲)

بادشاہ نبی نہیں، عبد رسول:

۷. عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الدَّهَبِ، جَاءَنِي مَلَكٌ..... فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَفْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا؟ فَنَظَرْتُ إِلَى جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ ضَعُ نَفْسَكَ.

وَفِي رَاوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى جِبْرِئِيلَ كَأَلْسْتَشِيرُ لَهُ، فَأَشَارَ جِبْرِئِيلُ بِيَدِهِ أَنْ تَوَاضِعْ، فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا، قَالَتْ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَكِنًا، يَقُولُ:

اَكُلْ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَاجْلِسْ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ (رواه في شرح السنة ورواه ابن حبان عن أبي هريرة)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے، میرے پاس ایک فرشتہ آیا..... اور کہا کہ آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ (کیا پسند کرتے ہو؟) عبد نبی (نبوت کے ہمراہ بندگی) یا بادشاہ نبی؟ میں نے جبرئیل کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ ”تواضع“ اختیار کیجیے!

ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین کی طرف یوں دیکھا جیسے مشورہ لینے والا دیکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ: تواضع اختیار کیجیے!

(چنانچہ) میں نے جواب دیا کہ ”عبد نبی“ (نبوت کے ساتھ عبدیت) چاہتا ہوں اس کے بعد (آپ کی کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ) کھانا بھی تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ

”میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک ’بندہ بے دام‘ بیٹھا کرتا ہے۔“ (شرح السنۃ وابن

حبان)

اقتدار گو برانہیں، تاہم مقام نازک ہے۔ یہ ایک عظیم ذمہ داری ہے، اس سلسلے میں ”مسئولیت“ کا باب بہت بڑا باب ہے اور بہت ہی کٹھن ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

داناینا انسان اسے آسانی سے قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ پھولوں کا تاج نہیں ہے، کانٹوں کا بچھونا ہے۔ جس کو نیند عزیز نہیں وہی اسے اپنے لئے پسند کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ: اصلی بادشاہ ”احکم الحاکمین“ ہے، اور نبی کا تعلق اسی ذاتِ کبریا سے ہوتا ہے، اس لئے یہاں ”نسبتِ عبدیت“ کی بہتر ہوتی ہے بادشاہت کی نہیں۔

بہر حال ”بادشاہت“ اپنی گوناگوں ذمہ داریوں اور نزاکتوں کی وجہ سے ”نبی بردوش“ بھی ہو تو خطرے سے خالی نہیں ہے، جو لوگ اسے جاہ طلبی اور عیش فراواں کے جذبہ سے اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، وہ شاید اس کے حوصلہ شکن نتائج سے بے خبر ہیں یا نفس و طاعت کی غلامی کی وجہ سے وہ اپنے اخروی لازوال مستقبل کو اپنے فانی اور سطحی حال پر قربان کیے جا رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہ

گو اللہ کے نبی اپنے دائرہ کار میں، لوگوں کے لئے ”فرمانروا“ ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ احکم الحاکمین کی مرضی اور مشیت کے تابع ہوتے ہیں، اس لئے وہاں بادشاہت کا نہیں بلکہ ”عبدیت“ کا احساس پس پردہ کار فرما ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں شاہزادگی کے بجائے ”بندگی“ کا رنگ چھایا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنے لیے ایسے لفظ اور خطاب کو بھی پسند نہیں فرمایا جو ”بادشاہت“ کی راہ میں آتا ہے، جیسے ”سید“ کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے کہنے والے کو روک دیا تھا کہ ”سید“ صرف اللہ ہے (ابوداؤد) یعنی میرے لیے یہ لفظ استعمال نہ کرو۔

اَدُّواْ اَیْمَانَہٗ اِلٰی اَہْلِہَا:

۸. عن عبادۃ بن الصابت قال بايعنا رسول الله ﷺ على السبع والطاعة على ان لا ننازع الامر اهله (الصحيحين)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم نے ”سمع اور طاعت“ کے معاہدہ پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ اور اس شرط پر کہ، جو لوگ ”امامت“ کے اہل ہیں، ان سے اسے چھیننے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اہلیت ”دینداری اور مفوضہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت“ کا نام ہے۔ ایسے لوگوں کو منصب سے اتارنے کی کوشش کرنا، مسلمانی نہیں، ننگِ مسلمانی ہے، باقی رہے ہماشا؟ تو پارلیمانی طریقہ سے ان کو بدلنا ہی بہت ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا اقتدار بالآخر عذاب کا سبب بن جاتا ہے اور ان ناہنجاروں کی بدولت ملک و ملت اور دین کا جتنا حرج اور نقصان ہوگا، ان سب کا پوری قوم سے محاسبہ ہوگا۔

۹. عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال بینما النبی ﷺ فی المجلس یحدث القوم جاءہ اعرابی فقال متی الساعة؟ قال فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة، فقال:

کیف اضاعتہا؟ قال اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعة (الصحيح للبخاری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک دفعہ جب رسول کریم ﷺ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے تو آپ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی شخص آگیا، اور کہا: حضور! قیامت کب ہے؟

فرمایا:

جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کیجیے:

اس پر اس نے پوچھا: (حضور!)

اس کا ضائع ہونا کس طرح ہے؟

فرمایا:

جب حکومت نااہلوں کے سپرد کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کیجیے: (بس اب وہ آنے والی ہے)

حضرت امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک امانت سے مراد حکومت ہے اور **اہلہا** سے ”حکمران“ اور اولی الامر (آیت **اولی الامر منکم**) سے جیوش اور دوسرے شعبوں کے حکام مراد ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

اس لئے ضروری ہے کہ ہر حکمران، مسلمانوں پر ایسے حکام مقرر کرے جو سب سے زیادہ اس کے لئے فٹ ہوں (ایساۃ الشرعیہ ص ۳۰۲) اگر اہل ترانسان کے بجائے مسلمانوں کی تقدیر کا وارث نااہل شخص بنے گا تو ظاہر ہے وہ ان کی تقدیروں سے کھیلے گا، بنائے گا نہیں۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

۱۰۔ قال النبی ﷺ من ولی من امر المسلمین شیئاً فوٹی رجلاً وهو یجد من هو اصلح للمسلمین منه فقد خان الله ورسوله وفي رواية من قلد رجلاً عملاً على عصابة وهو یجد في تلك العصابة ارضی منه فقد خان الله ورسوله وخان المومنین (رواہ الحاکم فی صحیحہ)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”جو شخص مسلمانوں کو کسی بھی شے کا والی ہوا، پھر والی ہو کر اس نے ایک ایسے شخص کی موجودگی میں دوسرے کمتر شخص کی تقرر کی، جو اس سے زیادہ اہل اور فٹ تھا، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ:

جس نے ایک جماعت پر ایک ایسے شخص کو حاکم مقرر کیا: جس سے زیادہ پسندیدہ اور اہل تر شخص اس جماعت میں موجود تھا تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا والی بنا پھر اس نے محض دوستی یا قرابت کی وجہ سے کسی کو حاکم مقرر کیا تو اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلَّى رَجُلًا لِمُودَّةٍ أَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
(السياسة الشرعية لابن تيمية ملخصاً)

گمراہ حکمران:

۱۱. عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْإِثْمَةَ الْمُضِلِّينَ (ابو داؤد)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”مجھے اپنی امت کے سلسلے میں صرف گمراہ حکمرانوں (کے تسلط) کا خطرہ ہے۔“ (ابو داؤد)

حکمران، ملک و ملت کے اصلی امام اور رہنما ہوتے ہیں، لوگ وہی رنگ پکڑتے ہیں جو ان کا رنگ ہوتا ہے۔ صحیح ہوتا ہے تو صحیح، غلط ہوتا ہے تو غلط۔ اور اسی بنیاد پر ہی قوموں کا مستقبل بنتا اور بگڑتا ہے۔

ملت اسلامیہ کے جتنے اہم مسائل ہیں، امامتِ قوم کا مسئلہ ان سب سے سرفہرست ہے: ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں، اُمتِ مسلمہ اگر یہ مسئلہ اپنی روایات کے شایانِ شان حل کر لیتی ہے تو پھر اس کے بد اس کا اور کوئی بھی مسئلہ لانیل نہیں رہتا، ورنہ پوری قوم لانیل مسائل کے لحاظ سے ”مسائلستان“ بن کر رہ جاتی ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت کی بنا پر جس اندیشے کا اظہار فرمایا تھا، وہ آج حرف بحرف ثابت ہو گیا ہے۔ مدتِ مدید سے غلط کار، برخود غلط، بے دین، بد عمل، کج بین، کج رواد اور ملّی مزاج کے لحاظ سے ”نانال“ سیاسی کھلنڈرے اور حکمران پورے عالم اسلام پر مسلط ہیں، اور اس پر طرہ یہ کہ ان سے خلاصی پانے کے لئے ملتِ اسلامیہ کے سوادِ اعظم کے دل میں ابھی تک کوئی تحریک بھی پیدا نہیں ہوئی اور نہ وہ اس سلسلے کی سنجیدہ کوششوں سے کوئی مناسب دلچسپی لے رہا ہے۔ اس لئے اس کا مستقبل بھی موہوم سا ہو کر رہ گیا ہے۔

قبیلہ خمس کی زینب نامی ایک خاتون نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ:

ہم اس صالح نظام پر، جس کو جاہلیت کے بعد اللہ نے ہمیں نصیب کیا ہے، کب تک قائم رہیں گے؟

فرمایا: جب تک تمہارے امام (سیاسی رہنما، حکمران) سیدھے رہیں گے، اس وقت تک تم بھی اس پر قائم رہو گے۔

پھر عرض کی: امام کسے کہتے ہیں؟

فرمایا: کیا تمہاری قوم کے سردار اور معزز لوگ نہیں ہیں؟ وہ جو حکم دیتے ہیں، لوگ ان کی اطاعت کرتے ہیں؟

کہنے لگی: ہاں!

فرمایا: یہی لوگوں کے حاکم ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مَا بَقَاءُنَا عَلَى هَذَا الْأَمْرِ الصَّالِحِ جَاءَ اللَّهُ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: بَقَاءُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَمَّتُكُمْ قَالَتْ وَمَا الْإِمَّةُ؟ قَالَ أَوْ مَا كَانَ لِقَوْمِكَ رُؤُسٌ وَأَشْرَافٌ يَأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ قَالَتْ بَلَى! قَالَ فَهُمْ أَوْلِيكَ عَلَى النَّاسِ (بخاری باب ایام الجاهلیة)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سیاسی حکمرانوں، اشراف اور ذمہ دار لوگوں کے بارے میں بڑے پتے کی بات کہی ہے: اے عربو! جماعتی نظم کے بغیر اسلام کچھ نہیں، اور امیر کے بغیر تنظیم کچھ نہیں، اگر تنظیم میں جذبہ اطاعت نہیں تو امیر بے فائدہ ہے۔ سو جس قوم نے ”صالح سوجھ بوجھ“ کی بنا پر کسی کو اپنا حکمران بنالیا تو وہ تو اس کے لئے ”سرپازندگی“ ثابت ہو گا لیکن جس قوم نے ”صالح سوجھ بوجھ“ کے سوا کسی اور معیار کی بنیاد پر اسے یہ ”ملی سرداری“ عطا کی تو وہ اس کے لئے اور ان کے لئے تباہی کا موجب ہو گا۔

یامعشر العرب: لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةٍ إِلَّا بِإِمَارَةٍ وَلَا إِمَارَةٌ إِلَّا بِطَاعَةٍ سَوَدَهُ قَوْمُهُ عَلَى الْفِقْهِ كَانَ حَيَوَةً لَهُ وَمَنْ سَوَدَهُ قَوْمُهُ عَلَى غَيْرِ فِقْهِ كَانَ هَلَاكًا لَهُ وَلَهُمْ (دارمی)

عروج وزوال کی ترازو:

۱۲. ان نَافِعِ بْنِ الْحَارِثِ لَقِيَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بِعُسْفَانَ وَكَانَ عُمَرُ اسْتَعْمَلَهُ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ فَسَلَّمَ عَلَى عُمَرَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَنْ اسْتَخْلَفْتَ عَلَى أَهْلِ الْوَادِي؟ فَقَالَ نَافِعٌ - اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ أَبِي زَيْ فَقَالَ عُمَرُ: وَمَنْ ابْنُ أَبِي زَيْ فَقَالَ مَوْلَى مِنْ مَوَالِينَا فَقَالَ عُمَرُ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمْ مَوْلَى؟ فَقَالَ -

يَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّهُ لَقَارِي لِكِتَابِ اللَّهِ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ، فَقَالَ عُمَرُ:

أَمَّا أَنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ (رواه الدارمی ص ۲/۴۴۳)

حضرت نافع بن الحارث، عسفان (کے مقام) میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جا) ملے، انہیں حضرت عمرؓ نے مکہ کا گورنر تعینات کیا تھا۔ حضرت عمر کو السلام علیکم کہی تو انہوں نے ان سے فرمایا: اہل وادی (سرزمین مکہ) پر کس کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے، حضرت نافع بولے: ابن ابزی کو، حضرت عمرؓ نے پوچھا، ابن ابزی کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تو نے ان پر ایک آزاد کردہ غلام کو اپنا خلیفہ بنایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔

اے امیر المؤمنین! وہ کتاب اللہ کا عالم ہے، احکام دین، ذمہ داریوں اور مالی مسائل کا راز داں ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جھوم کر) بولے۔

رسول کریم ﷺ نے سچ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس کتاب (پاک) کے ذریعے بہت سی قوموں کو رفعت بخشا ہے اور بہت سی دوسری اقوام کو پست کرتا ہے۔“

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ صرف ملتِ اسلامیہ کی بات نہیں بلکہ پورے نوعِ انسانی کے مستقبل کی بات کی جارہی ہے کہ: جو قومیں کتاب اللہ کا دامن تھام کر رکھیں گی وہ یقیناً بامِ اوج پر فائز ہو کر رہیں گی اور جو قومیں قرآن حکیم کے بجائے کسی دوسرے فکر و عمل کو اپنا دستور العمل بنائیں گی، وہ انسانیت کے مقامِ کبریٰ پر فائز نہیں رہیں گی، گو وہ بظاہر انسان نظر آئیں گے مگر وہ حیوان ہوں گے بلکہ ان سے بھی فروتر۔

جس معیارِ زندگی کو دنیا ترقی کے نام سے یاد کرتی ہے، وہ دراصل حیوانی درجہ ہے، انسانی نہیں ہے، اسلام کے نزدیک صحیح ترقی یہ ہے کہ: انسان، انسان رہ کر، دونوں جہان کے مکارمِ حیات میں ترقی کرے۔ اور جو لوگ اخروی مقاصد سے بے نیاز ہو کر صرف دنیا کی ٹھاٹھ باٹھ اور مادی وسائل کی حد تک تازیانہ پہنچ رہے ہیں، اسلام کی نگاہ میں، وہ ترقی نہیں ہے بلکہ یہ سمجھئے! کہ کسی سب سے بڑے سرکش حیوان کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے لئے زمین کو ہموار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے فرمایا: کہ پھر ان پر برے لوگ مسلط ہو جائیں گے۔

بد مسلط ہو جائیں گے:

۱۳. عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي الْمُطِيطِيَاءَ وَخَدَمَتْهُمْ أَبْنَاءُ الْبُلُوكِ ابْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ سَلَطَ اللَّهُ شَرَّ أَذْهَابِهَا عَلَى خِيَارِهَا (ترمذی)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب میری اُمت ناز و نخرے کے ساتھ منک منک کر چلے گی، اور فارس و روم کے بادشاہوں کی آل و اولاد ان کی خدمت گار بنیں گی، اس وقت اللہ تعالیٰ بروں کو نیک لوگوں پر مسلط کر دے گا۔“

کیونکہ جب نفس و طاغوت کی خدمت، عیش و آرام اور ناز و نخرے کی زندگی ہی معراجِ ٹھہری تو پھر اس باب میں جو سب سے بڑا شاطر ہو گا، وہی ان پر مسلط بھی ہو گا، جو ان کی خدمت نہیں کرے گا بلکہ انہیں اپنی ذات کے لئے استعمال بھی کرے گا، پالے گا بھی تو ہیں جیسے قصاب بکرے اور چھترے کو پالتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت مصعب بن عمیر تشریف لے آئے: ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس پر چڑے کے ٹکڑے کا پیوند لگا ہوا تھا، جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ کو ان کے ناز و نعمت والا دور یاد آگیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا، جب صبح و شام تم ایک نیا جوڑا پہنو گے، کھانے کو ایک دسترخوان جائے گا تو دوسرا لگ جائے گا، اور اپنے گھروں کی دیواروں کو یوں چادروں سے ڈھانکو گے جیسے کعبے کی دیواروں کو ڈھانکا جاتا ہے تو صحابہ بولے: حضور اس وقت ہماری حالت آج سے بہتر ہو گی، محنت مشقت سے بچ جائیں گے اور عبادت کے لئے فراغت مل جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! (نہیں) تم اس دن سے آج بہتر ہو۔ (ترمذی)

مقصود یہ ہے کہ مال و دولت کی فراوانی پا کر انسان خدا کی عبادت کے لئے فرصت نہیں پاتا بلکہ نفس و طاغوت کی غلامی میں اور الجھ کر رہ جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حالات آپ کے سامنے ہیں۔

میرا ہوجا، سب تیرا، ورنہ۔۔۔۔۔

۱۴۔ ہاں یہ ضرور فرمایا کہ اگر تم میری عبادت کے لئے یکسو ہو رہو گے تو ہم تمہیں سیر کر دیں گے۔ تنگدستی دور کر دیں گے ورنہ رات دن کی محنت مشقت میں مبتلا کر دوں گا، مگر تمہارا پیٹ پھر بھی نہیں بھرے گا۔

ان اللہ تعالیٰ یقول: اِنَّ اَدَمَ تَفَرَّغَ لِعِبَادَتِيْ اَمْلًا صَدْرَكَ غَنَى وَاَسَدًا فَقَرِكَ وَاِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسَدًا فَقَهَّ (ابن ماجہ)

خود سوچیے! تمہیں کیا پسند ہے؟

۱۵۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ۔

اِذَا كَانَ اَمْرًا كُمْ خِيَارَ كُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ سَخَاءَ كُمْ وَاَمْرُ كُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهَرَ الْاَرْضَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطِيْهَا ۔
وَاِذَا كَانَ اَمْرًا كُمْ شَرَّ اَرْكُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ بُخْلًا كُنُوْا مُؤْرُكُمْ اِلَى نِسَاءِ كُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا
(رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جب تمہارے حکمران بھلے لوگ، مالدار، سخی اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے کیے جائیں گے تو تمہارے لئے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے زیادہ بہتر ہوگی۔

جب تمہارے امیر المؤمنین، برے لوگ، مال دار کنجوس اور تمہارے امور عورتوں کے رحم و کرم پر ہوں گے تو اس وقت تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کے ظاہر سے بہتر ہوگا۔“

مقصد یہ ہے کہ: جینا ہو تو ایسا کہ: حکمران بھلے لوگ ہوں، مالدار لوگ سخی اور معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں، کیونکہ یہ باوقار زندگی ہوتی ہے، ورنہ اس جینے سے موت بھلی۔ اب یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کو کن لوگوں سے پالا پڑا ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تیرے بیمار کو دنیا کا مسیحا دیکھا

دونوں عالم میں حسیں ہم نے نہ تجھ سادیکھا

دونوں عالم کو تیری دید کا شیدا دیکھا

مال و زر چیز ہے کیا، جان فدا کر ڈالی

جس نے بھی جب بھی ترے حسن کا جلوہ دیکھا

اللہ اللہ عجب اعجاز مسیحائی ہے

تیرے بیمار کو دنیا کا مسیحا دیکھا

تیرے ماتھے کا پسینہ مہ و انجم کا جواب

نقش پا کو ترے خورشید سراپا دیکھا

اک اشارے سے ترے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے

بھول سکتا ہی نہیں جس نے وہ نقشہ دیکھا

بن گئے اپنے بھی بیگانے جہاں میں اکثر

ایک وہ ہیں جنہیں ہر حال میں اپنا دیکھا

کیا سمائے گا جہاں اس کی نگاہوں میں بشیر

جس نے محبوب خدا کا رخ زیبا دیکھا

بشیر انصاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دارالافتاء

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

استفتاء

ایک صاحب پوچھتے ہیں:

۱۔ مسجد میں جب لوگ سنتیں یا نفل پڑھتے ہیں تو کیا کوئی شخص اونچی آواز میں ذکر یا تلاوت قرآن کر سکتا ہے؟

۲۔ ایسا ذکر بتائیے جو آسان ہو، ہر حال میں پڑھا جاسکے اور ثواب بہت ہو۔

۳۔ بعض ذکر ایسے ہوتے ہیں، جن میں پڑھنے والا کہتا ہے۔ **زنة عرشك و مداد کلماتك** وغیرہ، کیا اتنا کہہ دینے سے واقعی اتنا بن جاتا ہے؟

۴۔ ذکر الہی کے لیے وضو ضروری ہے؟

۵۔ عام ذکر بہتر ہے یا قرآن پاک کی تلاوت؟

الجواب:

۱۔ اونچی آواز میں تلاوت: نماز بھی پوری یکسوئی چاہتی ہے، اس کے علاوہ، خانہ خدا باوقار فضا کا متقاضی ہے، اس لیے اس انداز سے اونچی آواز میں تلاوت یا ذکر کرنا جس سے نمازی کی یکسوئی یا محویت غارت ہوتی ہو یا مسجد کی کی پروقار، متین اور معصومانہ فضا ”شورش بے ہنگام“ کی نذر ہو سکتی ہو تو اس سے لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوة و سلام کا جو تعارف تورات میں آیا ہے، اس میں ہے کہ:

مسجد میں ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ایک لطیف سی سرسراہٹ ہوگی۔ **دوہم فی مساجد ہم کدوی النحل**

(دارمی: ۶/۱)

مقصود یہ ہے کہ: مسجد میں کہرام برپا نہیں ہوگا۔ اب اگر کوئی شخص مسجد کی اس معصومیت کو غارت کرتا ہے اور شور کر کے مسجد میں کہرام برپا کرتا ہے تو ظاہر ہے اسلام اس کو بنظر استحسان نہیں دیکھے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اعتکاف کے دوران لوگوں کو اونچی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھا تو فرمایا:

تم سب اپنے اپنے رب سے ہمکلام ہو، اس لیے ایک دوسرے کو ڈکھ نہ دیا کرو نہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قرأت کیا کرو۔

عن ابی سعید قال اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجد فسمعتہم یجھرون بالقرآن فکشف

السترو قال الا ان کلکو مناج ربہ فلا یوذین بعضکم بعض ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراءة او قال الصلوة

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(ابوداؤد: ۱۳۳)

بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج علی الناس وهم یصلون وقد اعلت اصواتہم بالقرآن فقال ان المصلی یناجی ربہ عزوجل فلینظر بما یناجیہ ولا یجہر بعضکم علی بعض بالقرآن (اہل السنن کذا قال الحراقی و قال بأسناد الصحیح)

اصل فتنہ وہ شور ہے جو دوسرے عبادت گزاروں کی یکسوئی اور انہماک کا خون کرتا ہے، اس لیے اب بات مسجد تک محدود نہیں رہی، گھروں تک بھی چلی گئی ہے۔ کیونکہ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر لگا کر جو تائیں چھوڑی جاتی ہیں، وہ گھروں میں بھی ذکر و فکر میں محویت کے انکانات کو شدید نقصانات پہنچا رہی ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک ذکر و فکر ہو یا تلاوت کی بات بہر حال ایسی اونچی آواز میں پڑھنا جو ذہنی تشویش پر منتج ہو، قطعاً جائز نہیں۔ خاص کر اوقات نماز میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز بہ جماعت میں بھی کمزوروں اور بیماروں کا خیال رکھتے تھے کہ وہ تھک نہ جائیں یا ان کو تکلیف نہ ہو۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیہم الضعف والسقیم و الکبیر الحدیث (بخاری: ۹۷۱)

مگر یہ لوگ خانہ خدا میں کھڑے ہو کر ”حشر بردوش تانوں“ کے ذریعے محلے بھر کے بیماروں، کمزوروں، مزدوروں اور بزرگوں کی جسمانی عافیتوں اور آرام پر جس طرح بجلی بن کر گر رہے ہیں وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے خانہ خدا میں بالخصوص ”اونچی آواز“ اونچے سروں اور اونچی تانوں کے جو فتنے کھڑے ہو گئے ہیں، ہمارے نزدیک سر اپا فتنہ ہیں، اس لیے جو لوگ عبادت میں اس صورت حال کی نزاکت کا احساس نہیں کرتے، وہ حدیث کی رو سے فتنہ پرور اور شرانگیز لوگ ہیں، حضور ﷺ نے ایسے شخص کو **فتان فتان** کہا ہے۔

اصل میں مساجد میں صرف تلاوت کا ہی غوغا نہیں ہوتا اور بھی بہت کچھ گاتے ہیں، بلکہ اکثر لوگ قرآن بھی گاتے ہیں۔ ذکر بھی گاتے ہیں۔ درود بھی گاتے ہیں، آہ! جو بات عبادت تھی، اسے نادان دوستوں نے گانا بنا ڈالا۔ اگر آج ان سے لاؤڈ سپیکر چھین لیا جائے تو وہ آپ کو بہت کم ذکر کرتے نظر آئیں گے۔ کیونکہ گانا نہیں رہتا۔ اگر ان سے کہا جائے کہ آپ بیٹھ کر اور آہستہ آہستہ جی بھر کر درود شریف کا ورد کریں۔ دل کے پورے ارمانوں کے مطابق، شب و روز تلاوت کیا کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ رب کا ذکر کیا کریں تو آپ دیکھیں گے کہ میدان بالکل خالی رہے گا، کیونکہ یہ ”قل خوانی“ صرف ”گانے“ کو جاتے ہیں ورنہ تلاوت کرنے نہیں جاتے، حالانکہ حضور ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ: آپ ہر وقت رب کا ذکر کیا کرتے تھے، مگر یہ ”طور“ انہیں پسند نہیں ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک خانہ خدا اللہ کے دربار میں، بارگاہ عالی کے دربار کا تقاضا ہے کہ سنجیدہ اور باادب رہا جائے اور شوخی کے بجائے نشین مسکینوں کی طرح دم بخود رہنے کو ترجیح دی جائے۔

حضرت امام مالک مساجد میں شور و غوغا قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت عمرؓ تو مساجد میں رفع الصوت (اونچا بولنے) کے سخت مخالف تھے۔

عن ابن عمر: قال سمع عمر رجلا رافع صوته... قال اما انك لو كنت من اهل بلدنا هذا لاجعتك ضرباً، ان

مسجدنا هذا لا يرفع فيه الصوت (عبدالرزاق: ۴۳۸/۱)

گو علماء نے جائز کلام اور ناجائز کلام کی بحث کی ہے لیکن اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ مسجدوں میں آسمان کو سر پر اٹھالینا بالکل جائز نہیں ہے، جیسا کہ آج کل ایک گروہ نے شعار بنا رکھا ہے۔

۲۔ آسان ذکر: ذکر الہی کا آسان ہونا یا مشکل دراصل ہر شخص کی اپنی افتاد طبع کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی جس کا جتنا تعلق اللہ سے ہوتا ہے اتنا ہی ذکر اس کے لیے آسان ہوتا ہے اور جتنا کم ہوتا ہے اتنا وہ اس کے لیے کچھ مشکل ہوتا ہے۔ ایک شخص جمال اور جلال الہی کا کشتہ ہوتا ہے، دوسرا دنیا کا متوالا اور کتا ہوتا ہے۔ پہلا شخص ذکر و فکر میں مستغرق رہ کر تھکنے کا نام نہیں لیتا، دوسرا ذکر خدا کے تصور سے اکتا جاتا ہے۔

ع خیال ہر کس بقدر ہمت اوست

واقعہ یہ ہے کہ: ذکر سے غرض، تعلق باللہ میں استواری ہے کہ اس سے تعلق مستحکم ہو اور زبان کو رب کے گن گانے کا شرف حاصل ہو۔ اور یہ دل کے جتنے گہرے جذبے اور زبان کی جتنی تکرار کے ساتھ جاری ہوگا، اتنا ہی رنگ لائے گا۔ اب یہ اندازہ کرنا کہ اس باب میں آپ کس مقام پر کھڑے ہیں، آپ کا اپنا کام ہے۔ اس کے بعد اس کے سمجھنے میں بھی آپ کو کوئی دشواری نہیں رہے گی۔

اس کے باوجود ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم اور درود شریف یا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا بکثرت ورد کیا جائے تو یہ آسان تر بھی ہے اور انشاء اللہ امید ہے کہ اب بھی رب سے تعلق کی پیٹنگیں بڑھنے لگیں گی اور حق تعالیٰ کی طرف سے ایسی توفیق کی ارزانی ہونے لگے کہ جس سے ”ذکر و فکر“ سے طبعی اور فطری مناسبت پیدا ہو سکتی ہے۔

س۔ زنة عرشك: مسلم کی ایک روایت میں تسبیح کے الفاظ یہ آئے ہیں:

سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ و زنة عرشہ و مداد کلماتہ (مسلم)

اور غالباً اسی کی بابت آپ نے بھی دریافت فرمایا ہے۔

واقعی اس طرح پڑھنے سے اتنی ہی مقدار شمار ہو جاتی ہے، لیکن اس انسان کے لیے جو بساط بھر اس کے درد میں محور ہوتا ہے اور اپنی بشری کمزوریوں کی بنا پر تھک کر بصد حسرت خدا کے حضور بول اٹھتا ہے کہ الہی! اب میرے طرف سے یہ نذرانہ عقیدت اتنی بار قبول فرمالے، کیونکہ میرے دل کی حسرت کا یہی تقاضا ہے کہا اگر بس میں ہوتا تو اتنا ہی کر گزرتا۔ چونکہ خدا دانائے راز ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر اس کے بس میں ہوتا تو واقعی یہ شخص اتنا ہی دور تک چلا جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی بے بسی اور تڑپوں کی لاج رکھ لیتا ہے اور اس تھوڑے کو بہت شمار کر کے قبول فرما لیتا ہے۔ باقی رہے ہما شما؟ ہمیں بھی یہی حکم ہے کہ تم بھی ایسا ہی کہو، اور اسی ہی راہ پر چلو۔ کیونکہ اصل تمہارا مقام یہی ہے۔ اگر آپ نے انہی تسبیحوں کو اپنا شعار بنا لیا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل کی یہ لطیف قوتیں بھی بیدار ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بایں بشری کمزوری حق تعالیٰ آپ کے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پاکیزہ بول کو ویسے ہی قبول فرمالے، جیسے آپ نے اپنے درد میں کہا ہے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز!** بہر حال تسبیح کا یہ اسلوب، نبوی اسلوب ہے، جس کی پیروی سنت ہے جو سرتاپا سعادت اور ثواب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ ذات اتنا ہی شمار کرتی ہے یا کم؟ آپ کو اس بکھیرے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا کام اتباع ہے اور صرف اتباع۔ آپ پڑھیں اور ذوق شوق سے پڑھیں۔ انشاء اللہ اس کی برکت سے محروم نہیں رہیں گے، اور یہ درد بالآخر ضرور رنگ لائے گا، کیونکہ یہ سنت کا اتباع ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ**۔

سب سے بڑا فائدہ ذکر الہی کا یہ ہوتا ہے کہ اتنا عرصہ شیطان اس سے پرے رہتا ہے **فاذا ذکر اللہ خنس** (بخاری تعلیقات) شیطان کے سائے کی نحوست سے دور ہونے کے بعد انسان کے اندر کی ملکوتی قوتیں بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اس لیے اگر آپ چاہیں تو اس اثناء میں اس سے پائیدار روحانی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ یہ سنہری موقع ہوتا ہے۔

۴۔ ذکر کے لیے وضو: ذکر الہی کے لیے ظاہری وضو شرط نہیں ہے لیکن اس کے آداب میں سے ضرور ہے، کیونکہ ”ذکر الہی“ اللہ کی معیت کے احساس کو مستلزم ہوتا ہے اس لیے ممکن حد تک پاکیزہ رہنے کی کوشش کی جائے تو یہ باب عالی کے دربار کے شایان شان بات ہوتی ہے، کیونکہ احکم الحاکمین کے قرب کا احساس بھی ہو لیکن وہ طہارت کا اہتمام بھی نہ کرے؟ مشکل ہے۔

چونکہ ہر آن اور ہر جگہ اس کے لیے طہارت کا التزام مشکل ہوتا ہے، اس لیے اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اپنے آپ کو حرج میں ڈالے بغیر جتنا آسانی سے با وضو رہ سکتا ہے وہ با وضو رہنے کی کوشش کرے، جہاں معمولات میں زیادہ حرج کے واقع ہونے کا اندیشہ ہو، وہاں اسے یونہی جاری رکھے۔ انشاء اللہ اب بھی اسے ویسا ہی اجر ملے گا، جیسا کہ با وضو ذکر سے ملتا رہا کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ جب کسی شرعی عذر (جیسے بیماری وغیرہ) کی بنا پر ایک شخص سے عمل صالح جیسی نیک عبادات چھوٹ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اسی کے نامہ اعمال میں ان کی عبادت لکھ دیتا ہے۔

اذا ابتلی المسلم ببلاء فی بدۃ قیل للملک: اکتب له صالح عمله الذی کان یعمل (شرح السنۃ، مشکوٰۃ: ۱۳۶)

۵۔ عام ذکر بہتر ہے یا تلاوت قرآن: ہمارے نزدیک تمام اذکار کی بہ نسبت قرآن حکیم کی تلاوت افضل الذکر ہے۔ کیونکہ اس کے ایک ایک لفظ پر دس نیکیاں، رب سے مناجات، اور اس کے ایک ایک لفظ کی دید و شنید پر ثواب ملتا ہے۔ دوسرے اذکار کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ: ایسا ذکر جس کو ”کلام اللہ“ بھی کہا جاسکتا ہو، وہ شرف صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔ دوسرے اذکار کو نہیں۔ قرآن حمید کی منفرد خصوصیت ایک یہ بھی ہے کہ:

وہ ملت اسلامیہ بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے ایک لازوال لائحہ عمل کا امین بھی ہے اور اس کے دنیوی اور اخروی مستقبل کا ضامن بھی رہے دوسرے اذکار؟ سوال کا یہ مقام نہیں۔

ایک شہر میں متعدد جمعے..... تعداد افراد

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بلجئیم سے جناب بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

۱۔ میرے ساتھ ۵۰ کے قریب مسلمان طالب علم رہتے ہیں، جن میں سے بمشکل تین چار لڑکے نماز جمعہ کو جاتے ہیں، باقی حضرات عذر کرتے ہیں کہ ۲ بجے یونیورسٹی جانا ہوتا ہے، واپسی پر دیر ہو جاتی ہے اور یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے۔ جہاں جمعہ پڑھنے کو جاتے ہیں وہ کچھ دور پڑتا ہے، طلبہ کی سہولت کے لیے وہاں جانے کے بجائے اگر ہم یونیورسٹی کے قریب جمعہ کی نماز کا انتظام کر لیں تو کیا جائز ہے۔ کچھ لڑکے مصر ہیں کہ جمعہ کا الگ انتظام نہ کیا جائے، جمعہ ایک جگہ ہونا چاہیے۔ شرعاً کیا حکم ہے، ایک شہر میں متعدد جمعے جائز ہیں یا نہیں؟

۲۔ جمعہ کی نماز کے لیے کیا کوئی تعداد بھی شرط ہے اور وہ کیا ہے؟

(مخلصاً مورخہ ۲ فروری ۱۹۷۶ء بلجئیم)

الجواب:

۱۔ متعدد جمعے: اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر جمعہ ایک جگہ ہو تو سب سے بہتر اور افضل ہے۔ اگر حالات اور وقت کا تقاضا ہو تو ایک قصبہ یا شہر میں ایک سے زیادہ بھی جمعے پڑھے جاسکتے ہیں، حالات اور وقت کا اقتضا اگر وہ ہو، جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو راقم الحروف کے نزدیک، دوسرے جمعے کا انتظام افضل ہی نہیں، دینی فریضہ بھی بن جاتا ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ ایک جگہ جمعہ پڑھنے کے اصرار پر اگر پچاس میں سے ۴۶ طلباء نماز جمعہ کے شرف بلکہ فرضیت کے تارک ہو رہے ہیں تو یہ بات دینی لحاظ سے بہت سنگین ہے۔

جمعہ سے اصل غرض: مسلمانوں کی شوکت اور وحدت کو متشکل کرنا، اور مسلمانوں کو ہفتہ وار تعلیم و تربیت کے مواقع مہیا کرنا ہے۔ اگر جمعہ کے متعدد اجتماعات، کسی فرقہ وارانہ ذہنیت کے پیداوار نہیں ہیں بلکہ بعض شرعی مصالح یا انتظامی قسم کی مقتضیات کا نتیجہ ہیں جیسا کہ آپ کے حالات سے مترشح ہوتا ہے تو انہیں ملی انتشار سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امام ابن حزم اندلسی (ف ۵۶۱ھ / ۱۰۶۴ء) لکھتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اس میں شرکت کے لیے جلدی کرو، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ایک جگہ یا دو جگہ یا کم و بیش کی قید نہیں لگائی، یہ بات بھی نہیں کہ: رب اسے بھول گیا ہو۔

قال الله تعالى (اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع ذلكم خير لكم) فلم يقل

عز وجل: في موضع ولا موضعين ولا اقل ولا اكثر (وما كان ربك نسياً) (محلّی ابن حزم: ۵۶/۵)

حضرت امام شافعی (ف ۲۰۰ھ / ۸۰۵ء) بغداد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہاں دو یا تین جگہ پر جمعہ ہو رہا ہے تو آپ نے انکار نہیں کیا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

واما بغداد! فد خلها الشافعی رحمة الله تعالى وهو يقيمون الجمعة في موضعين وقيل في ثلاثة فلم ينكر اليهم

(روضۃ الطالین: ۵/۲ - امام نووی)

بعض مصالح کی بنا پر ایک شہر میں متعدد جگہ پر نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت اسلاف سے مروی ہے حضرت عطاء بن ابی رباح سے (ف ۱۱۴ھ) پوچھا گیا کہ اگر مسجد تنگ ہو تو دوسری جگہ جمعہ پڑھا جاسکتا ہے؟ فرمایا: ہاں!

عن ابن جریج قال قلت لعطاء: رأيت اهل البصرة لا يسعهم السجد الا كبر كيف يصنعون؟ قال لكل قومه

مسجد يجمعون فيه ثم يجزى ذلك عنهم (مصنف عبدالرزاق: ۱۷۰/۳)

گو اس پر اعتراض کیا گیا مگر بغیر دلیل۔ اصل بات یہ ہے کہ: ان کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک جگہ، ایک سے زیادہ جمعہ منقول نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کوئی نہیں بتاتا کہ کیا اس کی منع بھی آئی ہے؟ بات بالکل ظاہر ہے کہ: منع منقول نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک وہ بھی حالات کا اقتضاء تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ: متعلقہ قصبہ میں، نماز جمعہ علاقہ کا حاکم ہی پڑھاتا تھا، یا کوئی عظیم رہنما، اور سب کا اس ایک شخص کے پاس جمع ہو جانا ایک قدرتی بات تھی، یہ بات نہ تھی کہ دوسری جگہ جمعہ جائز نہیں تھا بلکہ یہ تھی کہ حالات کا داعیہ ایسا تھا۔ اگر حالات اور وقت کی تبدیلی سے مقتضیات اور دوائی بدل جائیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ ان کا احترام نہ کیا جائے۔

وحدت جمعہ دراصل ”ملی وحدت“ کا تقاضا ہے، اگر تعدد جمعات کسی ذہنی انتشار اور کوڑھ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ مصالح کے اصرار کا حامل ہے تو یقین کیجئے! ملی وحدت پر اس سے کوئی آنچ نہیں آتی۔ وحدت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ: ظاہری طور پر انہیں ایک جگہ بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ جہاں ہوں ایک ہی مقصد، ایک ہی منزل اور ایک ہی پروگرام کے لیے یکسو ہوں۔

وحدت ملی کے جو اصل تقاضے ہیں ان کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں ہے بلکہ جداگانہ ریاستوں یا سیاسی گروپوں کے استحکام کے لیے رات دن جہاد کرتے رہتے ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اس کے بجائے سارے عالم اسلام کو ایک نظام خلافت کی لڑی میں پرو کر پوری ملت اسلامیہ کو ہم ایک وحدت میں منتقل کر دیں۔ لیکن جو کوئی اٹھتا ہے، وہ اسلامی احکام کی وسعتوں کو سمیٹنے پر تل جاتا ہے اور مصنوعی وحدت کے لیے سر پھٹول کر کے ملت کو مزید انتشار میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

قرآن وحدیث میں کہیں بھی متعدد جمعات کی ممانعت مذکور نہیں ہے۔ اگر ایک شہر میں متعدد جمعوں کا وجود کم دکھائی دیتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس وقت حالات کا یہی تقاضا تھا۔ ایک ہی خلافت تھی، ایک ہی امیر تھا اور میر کارواں بھی ایک ہی امام تھا اور آبادی بھی اس کی متحمل تھی کہ ایک ہی جگہ اسے سمیٹا جاسکتا تھا۔ مگر اب ان میں سے بیشتر قدریں بالکل بدل گئی ہیں۔ اس لیے اب محض مصنوعی وحدت کے لیے نوخیز نسل کے دینی مستقبل کو ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام ابن تیمیہ (ج ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء) فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے تعدد جمعہ کا حکم دیا تھا:

ولنا ما صح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر بتعدد الجمعة وهذا الاثر صحیح - صحیح ابن تیمیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منہاج السنہ (رسائل الارکان ص ۱۱۸، فتاویٰ الہدیث: ۳۵۱/۲)

ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ نے اسے بطور مشغلہ کے اختیار نہیں کیا ہو گا بلکہ حالات کا اقتضا ہی ایسا ہو گا۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ پہلے اگر متعدد جمعہ کی مثالیں نہیں ملتی تو اس لیے نہیں کہ وہ جائز نہیں تھا بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اس کے لیے کوئی داعیہ موجود نہ تھا۔ اب اگر حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں تو ضرور ان کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۲۔ تعداد افراد: اس کے لیے کچھ بزرگوں نے تعداد افراد کا ذکر کیا ہے لیکن قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جن روایات میں واقعہ کے طور پر بعض جگہ اس کا ذکر آیا ہے کہ وہاں شرکاء کی تعداد اتنی تھی۔ لیکن وہ ایک واقعہ کا ذکر ہے، شرائط کا نہیں ہے۔ اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ نماز باجماعت ہو سکے۔

زندگی میں جائیداد اور ثناء میں تقسیم اور کسی وارث کو عاق کرنا:

عنوان بالا دو اہم مسائل پر مشتمل ہے ایک یہ کہ حین حیات کیا جائیداد کی تقسیم ورثہ کی تقسیم کی طرح کم و بیش ہونی چاہیے یا اس میں انصاف ضروری ہے؟ دوسرا یہ کہ کیا کسی جائیداد کو جائیداد سے محروم رکھنے کی وصیت کی جاسکتی ہے اور اس پر عمل جائز ہو گا؟ زیر بحث فتویٰ صرف دوسرے مسئلہ سے متعلق ہے اور اسی سلسلہ میں شرعی رائے پیش کی گئی ہے۔ (مدیر)

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص الہدیث اپنی حین حیات میں للذکر مثل حظ الانثیین الایہ کے مطابق اپنی جائیداد کو اپنے بیٹے اور بیٹیوں میں تقسیم کر دیتا ہے مگر ان میں سے ایک بیٹی کو اپنی تمام جائیداد سکنی اور غیر سکنی سے بالکل محروم کر دیتا ہے کیا اس کا یہ اقدام از روئے شرع شریف جائز ہے؟ کیا والد اپنے نافرمان بیٹے یا بیٹی کو اپنی وراثت سے محروم کر سکتا ہے؟ کیا ایسے آدمی کی اقتداء بالصلوٰۃ جائز ہے؟ اور اس کو کسی جامع مسجد کا خطیب یا امام مقرر کیا جاسکتا ہے۔
الراقم محمد ادریس عثمان، بلاک نمبر ۱۵۔ ڈیرہ غازی خان

الجواب:

۱۔ کوئی بھی شخص، وہ والد ہو یا مولود، حاکم ہو یا کوئی دوسرا سرپرست، وراثت کے کسی حق دار کو اپنے حصے سے، وہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو یا رائی برابر، محروم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ:

(الف) اس کا تعلق پرائیویٹ اختیار سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اقتدار اعلیٰ (حق تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے) کے اختیار، بنیادی پالیسی اور قانون سے ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (پ ۲۔ سورۃ نساء ع ۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ (تفسیر ماجدی)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”یہی نہیں کہ خدا تم کو غیروں کے مال کھانے سے روکتا ہے بلکہ مسلمانوں کے اولاد کے حصول کی بابت حکم فرماتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوتا ہے۔“ (تفسیر ثنائی: ۸۱/۲۹۴) مولانا ثناء اللہ امرتسری

(ب) **اباؤکم و ابناءؤکم لا تدون ایہم اقرب لکم نفعا فريضة من الله** (پ ۴- النساء ع ۲)
تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون سا بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور بیٹیوں میں سے کون تم کو زیادہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح کرو اور ہر گز اس کے خلاف نہ کرو۔ اس لیے کہ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔

چونکہ یہ بات تم کو معلوم نہیں کہ کس سے تم کو نفع پہنچے گا۔ اس لیے تم کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیے جو کچھ کسی کا حصہ مقرر فرما دیا ہے۔ اس کی پابندی کرو کہ اس کو تمام چیزوں کو بھی خبر ہے اور وہ بڑا حکمت والا ہے۔ (مولانا محمود الحسن شیخ الہند سورہ مذکور)

(ج) **وصية من الله** (سورۃ النساء ع ۲)
اللہ کا یہی حکم ہے۔ (تفسیر ثنائی: ۱/۲۹۶) یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے (تفسیر ماجدی ص ۲۸۲)

یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے (تفہیم القرآن مودودی: ۳۲۹/۱)
(د) **تلك حدود الله** (سورۃ النساء ع ۲)

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۳۰)
یہ سب خداوندی ضابطے ہیں (تفسیر ماجدی ص ۱۸۲)
ان ضابطوں کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہے خواہ کوئی ہو۔

(ه) **ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله ناراً خالداً فيها وله عذاب مهين** (النساء ع ۲)
اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور حدود خداوندی سے آگے بڑھ جائے گا اللہ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔ (تفسیر ثنائی: ۱/۲۹۶)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کر جائے گا۔ اسے اللہ آگ میں ڈالے گا۔ جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے۔ (تفہیم القرآن: ۲۳۰/۱)

دور جاہلیت میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو ورثہ نہیں دیا جاتا تھا اور یہ سب کچھ والدین ہی کیا کرتے تھے۔ اس لیے فرمایا: **وللنساء و نصيب**
مما ترك الودان (النساء ع ۲) گویا کہ ان کے اس اختیار کو رد کر دیا گیا۔ جو وہ استعمال کیا کرتے تھے۔
اختیار مشروط ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس سلسلے میں جتنا کسی کو اختیار ہے وہ بھی غیر مشروط نہیں ہے کہ جب، جتنا اور جیسا کوئی چاہے کر گزرے۔ بلکہ وہ اس امر کا پابند ہے کہ اللہ کی عائد کردہ شرائط کا احترام کرے۔

یہاں پر شرط یہ ہے کہ کسی حصے دار کا نقصان نہ ہو۔ بیٹے یا بیٹی کو عاق کرنا سب سے بڑا نقصان ہے۔ **غیر مضار** (سورۃ النساء، ۲) جس سے کسی کا نقصان نہ کیا ہو۔ (تفسیر ثنائی: ۱/۲۹۸) جب اوروں کا نقصان نہ کیا ہو (شاہ عبدالقادر دہلوی، ص ۱۲۸) بغیر کسی کے نقصان پہنچائے۔

جوان بچوں کے حق وراثت میں حائل ہوتے ہیں انہیں خدا کا خوف چاہیے۔ ان کا مال، مال نہیں آگ ہے۔

وليشخ الذين لو تركوا من خلفهم ذرية ضعفا خافوا عليهم فليتقوا الله وليقولوا قولا سديدا - ان الذين ياكلون اموال اليتيم ظلما انما ياكلون في بطونهم نارا (النساء، ۲)

فرائض:

اسلام نے میراث کے لیے فرائض کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ فرائض سے مراد وہ طے شدہ حصے ہیں جو حتمی طور پر اسلام نے طے کر دیئے ہیں۔ جن میں مداخلت جائز نہیں ہے۔

حدیث:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حکم دیا ہے کہ جس کے طے شدہ حصے ہیں وہ ہر حال میں ادا کیے جائیں۔

الحقوا الفرائض باهلها (بخاری۔ مسلم عن ابن عباس)

حصہ والوں کو ان کے حصے ادا کرو۔

ماں باپ کی جائز شکایات بھی ہو سکتی ہیں لیکن ان کی جائز شکایات کے بدلے ناجائز اختیار دینا بہت بڑی بے اصولی ہے۔ بلکہ قرآن کا حکم ہے

کہنا جائز باتوں میں والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ ہاں ان کی خدمت میں کمی نہ کی جائے۔

فلا تطعها وصاحبها في الدنيا معروفا (سورہ لقمان)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے) **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق** (مشکوٰۃ وغیرہ)

جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ اس میں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں ہے۔

بلکہ ان شکایات کے ازالہ کی اور صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ حکومت بھی ان کی شکایات سن سکتی ہے۔

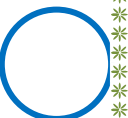
بہر حال ہمارے نزدیک، جائز وارثوں کو حق سے محروم کرنا بالکل جائز نہیں ہے اور نہ کسی کو اس کے خلاف کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ الا یہ کہ خود

شریعت اس کی اجازت دے۔ **اذليس فليس والله اعلم**

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(دستخط) عزیز زبیدی۔ واربرٹن ضلع شیخوپورہ
(مہر) مہتمم درسگاہ عملہ واربرٹن (شیخوپورہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



حفیظ الرحمن احسن

اخلاقِ فاضلہ - احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں

اعلیٰ انسانی اخلاق کیا ہیں اور زندگی میں ان کی اہمیت کیا ہے، اس مسئلے پر مختلف علمائے عمرانیات اور دوسرے اہل فکر نے بہت کچھ لکھا اور کہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ زندگی کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اخلاق کی حیثیت اور اہمیت کو مختصر ترین لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اخلاق دراصل زندگی کے طریقے، سلیقے اور قرینے کا نام ہے، اور اس طریقے کا تعین اور اس سلیقے اور قرینے کا حصول ہی دراصل اخلاقیات کا حقیقی موضوع ہے۔

یہ بات بھی اپنی جگہ پر واضح ہے کہ اخلاق اور فلسفہ اخلاق کا گہرا تعلق خود انسان کے تصور زندگی کے ساتھ ہے۔ زندگی کا مادی تصور ایک مختلف فلسفہ اخلاق اور جداگانہ نظام اخلاق تجویز کرتا ہے جب کہ زندگی کا روحانی تصور اپنے ایک مخصوص فلسفہ اخلاق کے تحت ایک بالکل مختلف نظام کی تشکیل کو لازم کرتا ہے۔

انسان کا اخلاقی مسئلہ: اسلام کے نقطہ نظر سے:

اسلام کے نزدیک اس کائنات کی اور انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس تخلیق کا مقصد اس امر میں انسان کی آزمائش ہے کہ وہ اس عارضی مہلتِ حیات میں حسنِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے یا بدِ عملی کا۔ حسنِ عمل کا صلہ موت کے بعد ایک دوسری ابدی زندگی کی ابدی نعمتیں ہیں اور بدِ عملی کی سزا ایک ہمیشہ رہنے والی حیاتِ عذاب ہے۔ اسلام کے عطا کردہ اس تصورِ حیات کی رُو سے انسان کا اصل اخلاقی مسئلہ یہ ہے کہ وہ سیرت و کردار کا کونسا ایسا اسلوب اختیار کرے جو اس کے مقصدِ زندگی کے تکمیل میں مدد و معاون ہو سکے، اور کردار و عمل کے وہ کون سے پہلو ہیں جو اس مقصد کی تکمیل میں مانع ہوتے ہیں اور ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان دراصل اپنے پورے کارخانہ حیات کے ذریعے سے اپنی ایک شخصیت کی تعمیر کرتا ہے۔ اس کا ہر اندازِ فکر اور ہر طریقِ عمل دراصل ایک اخلاقی سامانِ تعمیر ہے۔ جس سے وہ اپنی شخصیت کی عمارت تیار کرتا ہے۔ اس کی اس شخصیت کے حسن و قبح کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کی تعمیر میں مسالہ (Material) حسنِ عمل کا استعمال ہوا ہے یا بدِ عملی کا۔ اس کی بنیاد صالح افکار اور پاکیزہ اعمال پر قائم ہوئی ہے یا فاسد افکار اور برے اعمال پر رکھی گئی ہے۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ حیاتِ اخروی میں کسی انسان کو کیا مقام حاصل ہونے والا ہے تو اس کی اس شخصیت کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کی ہے۔ یہ شخصیت بول کر کہے گی کہ آخرت میں اس کی جائے اقامت کہاں ہونی چاہئے۔ آیا اس کو کوئی پاکیزہ اور شاندار مسکن میسر آنا چاہئے یا کوئی مقامِ بد اس کا ٹھکانہ بننا چاہئے۔ قرآن پاک کی بعض آیات اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ قیامت کے روز ہر شخص اس شخصیت کے ساتھ اُٹھے گا جس کے ساتھ وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس شخصیت سے مراد کسی شخص کا وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دنیاوی مقام و مرتبہ یا کم مانگی و بے حیثیتی نہیں ہے جو اس مادی دنیا میں اسے میسر آئی، بلکہ اس سے مراد وہ اخلاقی حیثیت ہے جس پر قائم رہ کر اس نے دنیا میں زندگی گزاری اور اپنی اسی حیثیت کے ساتھ اس کا دفتر عمل تمام ہوا۔ اس لئے ہم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح یہ سوچ کر اندازہ کر لینا چاہئے کہ ہم اس دنیا میں اپنے افکار و اعمال کے مسائل سے اپنی شخصیت کی کس قسم کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ہم اخلاقِ فاضلہ کا فہم و شعور کا حاصل کریں اور اپنی شخصیت میں ان کو اجاگر کرنے کی پیہم سعی و جہد کرتے رہیں، اور اسی طرح اخلاقِ سیئہ سے آگاہ ہو کر ان سے ہر ممکن اجتناب کریں۔

دین اور اخلاق:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، اخلاق دراصل زندگی کے طریقے، سلیقے اور قرینے کا نام ہے اور اسی کی تعلیم و تربیت درحقیقت دین حقیقی کا مقصود ہے، یعنی انسان کو اس کے مقصدِ حیات سے آگاہ کر کے اس کے تقاضوں سے روشناس کرانا، اور ان کی تکمیل کے قابل بنانا۔ چنانچہ ہمارے نزدیک حقیقی اخلاق وہی ہیں جن کی تعلیم و ہدایت ہمیں دین کے واسطے سے حاصل ہوئی ہے۔ ہمیں زندگی کا وہی سلیقہ اور قرینہ مطلوب ہے جو خدا نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے ہمیں سکھایا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔ یعنی ”میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔“

دوسری روایت میں **حُسْنَ الْأَخْلَاقِ** کے الفاظ آئے ہیں۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا** رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے اعلیٰ اخلاق رکھتے تھے۔ (متفق علیہ)

حضور ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں قرآن مجید کی شہادت یہ ہے کہ:

إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔

”بے شک آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔“

آئندہ سطور میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ حضور ﷺ نے ہمیں کن اخلاقی حسنہ کی تعلیم فرمائی ہے۔ اور کن برے اخلاق سے آگاہ کر کے ان پر اجتناب کی تاکید کی ہے تاکہ انسان کی اخلاقی اصلاح و تہذیب کے ربانی اصول و معیار ہمارے سامنے واضح ہو کر آسکیں۔

حسن خلق کیا ہے؟

حضرت نواس بن سمرانؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يُطْلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (مسلم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یعنی ”نیکی اخلاق و کردار کی اچھائی کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں خاش پیدا کرے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے آگاہ ہوں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ کیا چیز ہے جو کثرت سے لوگوں کے جنت میں داخلے کا ذریعہ بنے گی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ** یعنی خدا خونی اور حسن خلق۔ پھر عرض کیا گیا کہ وہ کیا چیز ہے جو لوگوں کو کثرت سے جہنم میں لے جانے کا سبب بنے گی۔ فرمایا: **الْفَمُّ وَالْفَرْجُ** یعنی منہ اور شرمگاہ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (ترمذی)

یعنی ”مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں۔“

مندرجہ بالا ارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کیا اچھائی دراصل ایمان کی پختگی اور خدا خونی کا ثمر ہے اور دراصل دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں۔ ایمان کے بغیر اخلاق پاکیزگی کا اور کردار کی اچھائی کے بغیر خدا ترسی اور خدا خونی کا تصور بے معنی ہے۔ اسی حسن خلق کی بدولت مومن کو اطمینانِ قلب کی عظیم نعمت حاصل ہوتی ہے، اور اس کا یہی اطمینانِ قلب اس کو سیرت و کردار کی وہ عظمت عطا کرتا ہے کہ اس کے بعد نفس کی کوئی ترغیب، شیطان کی کوئی تحریک، دنیا کی کوئی تحریص اور اقتدارِ باطل کی کوئی تخویف اس کو راہِ راست سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مومن کا حسن خلق جلائی پہلو بھی رکھتا ہے اور جمالی پہلو بھی۔ جلائی پہلو کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مومن مصارفِ زندگی میں کردار کی عظمت و صلابت کا مظاہرہ کرتا ہے اور جمالی پہلو یہ ہے کہ مومن اہل ایمان کے درمیان محبت و رافت کا ایک بیکر ہوتا ہے۔ اس کی گفتگو، اس کی نشست و برخاست، اس کی چال ڈھال اور اس کا باہمی میل جول ایک خاص قسم کے حسن و لطافت اور نفاست و ملائمت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی شان ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

أَشْدَاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح-۲۹)

”وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔“

مندرجہ بالا توضیحات اس امر کے اثبات کے لئے کافی ہیں کہ ہر قسم کی نیکی اور اخلاقی عظمت دراصل حسن خلق ہی کی تعریف میں آتی ہے۔

حضور ﷺ کے تعلیم کردہ اخلاقِ فاضلہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱. خندہ پیشانی سے ملنا اور سلام سے گفتگو کا آغاز کرنا:

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں یہ چیز ایک اصولی اہمیت رکھتے ہیں کہ نیکی کا کوئی کام حقیر نہیں ہے، خواہ بظاہر وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو، اور بدی کا کوئی کام معمولی نہیں ہے، خواہ بظاہر ہو کتنی ہی چھوٹی سی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنَّ تَلَفَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلِيقٍ (مسلم)

یعنی ”کسی نیکی کے کام کو حقیر مت سمجھو، خواہ وہ یہی کیوں نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کو ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔“

اسی طرح سلام سے آغازِ ملاقات و گفتگو کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا کہ:

أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ ”اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔“ (مسلم)

مراد یہ ہے کہ اہل ایمان جب بھی آپس میں ملیں باہمی سلامتی اور ایک دوسرے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی دعا کرتے ہوئے ملیں۔

یہ خوش اخلاقی حسن معاشرت کا نقطہ آغاز ہے۔ بہت سے تعلقات اس وجہ سے کشیدہ یا ختم ہو جاتے ہیں کہ افراد کے اندر خوش خلقی کا جوہر کم ہوتا ہے یا اس کا مظاہرہ کرنے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ چونکہ اہل ایمان ایک ایسی جماعت ہیں جس کی باہمی تنظیم و استواری اور استحکام غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اس لئے عام ملاقاتوں اور روزمرہ کی بے تکلف گفتگوؤں کو بھی ایک خاص سلیقے اور شائستگی کے قالب میں ڈھال دینا ضروری سمجھا گیا، اور جہاں خوشگوار تعلقات کی استواری کے لئے بعض بڑی بڑی ہدایات دی گئیں وہاں اس بظاہر چھوٹی سی بات کی تعلیم کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا کہ اہل ایمان کار سہمی میل جول بھی کس کیفیت اور کس شان کا حامل ہونا چاہئے۔

۲. نرم خوئی، متحمل مزاجی، بردباری، عفو و درگزر اور ایثار و قربانی:

یہ ساری صفات دراصل عاقل ظرفی اور بالغ نظری سے پیدا ہوتی ہیں اور عالی ظرفی اور بالغ نظری مومن کے خمیر میں شامل ہوتی ہے۔ خدائے واحد و قہار پر ایمان انسان کے اندر جس قسم کی بالغ نظری کی افزائش چاہتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی تمام مذموم صفات، جو ان گھڑ شخصیت کا لازمہ ہوتی ہیں، محمود صفات کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اسی لئے قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ میں بے شمار مقامات پر مندرجہ بالا صفات کی تحسین کی گئی ہے اور اپنی شخصیتوں میں ان کو پروان چڑھانے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ یہ صفات، مشتمل مزاجی، منتقم طبیعت، بد خوئی، درشتی طبع، جلد بازی، عدم تدبر اور بخل و تنگدلی کی ضد ہیں اور ان سے اسلامی معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی مزاج کا آب و رنگ معین ہوتا ہے۔

ارشاد ہوا: إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ: الْجُلُمُ وَالْأَنَاقَةُ (مسلم)

یعنی ”تیرے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے: بردباری اور وقار و سنجیدگی۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حدیثِ قدسی ہے کہ:

مَنْ يُحَرِّمِ الرِّفْقَ يُحَرِّمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ (مسلم)

”جو نرمی سے محروم ہوتا ہے وہ ہر طرح کی بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔“

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے فرمایا: **لَا تَغْضَبْ** (غصے میں نہ آؤ) اس شخص نے متعدد مرتبہ

یہی درخواست کی تو حضور ﷺ نے ہر مرتبہ اسے یہی نصیحت فرمائی۔ (بخاری)

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ:

وَالْيَعْفُو وَالْيَصْفَحُ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور: ۲۰)

”اور انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟“

مسلم، مسند احمد اور بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل ہوا ہے، فرمایا کہ بخل و تنگدلی (الشح) سے بچو کیونکہ بخل و تنگدلی ہی نے تم

سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اُس نے ان کو ایک دوسرے کے خون بہانے اور دوسروں کی حرمتوں کو اپنے لیے حلال کر لینے پر اکسایا۔

شخصِ نفس (بخل و تنگدلی) کو محدود معنوں میں نہیں لینا چاہئے۔ یہ چیز دراصل فیاضی و فراخدلی اور ایثار و قربانی کی ضد ہے اور مختلف معاملات میں

مریضانہ طرزِ فکر اور غیر صحت مند طرزِ عمل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ رواداری، وسعتِ نظر اور ایک دوسرے کے جذبات کی پاسداری کی

صفات، جو معاشرتی زندگی کی خواہشگواہی اور ہمواری کی ضمانت ہوتی ہیں، اس شخصِ نفس کی بھیجٹ چڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے اس سے سخت اجتناب کی تاکید

فرمائی گئی ہے اور اس کے برعکس عالی ظرفی اور فراخدلی کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ ان صفات کے بغیر اسلامی طرزِ معاشرت کی امتیازی شان اجاگر نہیں

ہو سکتی۔

۳. انخت اور باہمی خیر خواہی:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”مسلمان، مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو قوت پہنچاتا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو

دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا (متفق علیہ)

فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ

کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“ (متفق علیہ)

حضرت تمیم داری کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

الدِّينُ النَّصِيحَةُ (دین خیر خواہی ہے)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ، کس کے لئے؟ فرمایا: ”اللہ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے قائدین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔“ (مسلم)

اخوت اور نصیحت (خیر خواہی) دو ایسی بنیادیں ہیں جن پر اسلامی معاشرے کے اندر افراد کے باہمی تعلق کی عمارت استوار کی گئی ہے۔ حقیقی بھائی چارے اور باہمی ہمدردی و خیر خواہی کا جو مفہوم بھی کسی معاشرے کے اندر ممکن ہو سکتا ہے وہ سب اسلامی معاشرے کے اندر مطلوب ہے، لیکن اس امتیاز کے ساتھ کہ اسلامی معاشرے میں یہ رشتہ اخوت اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ وابستہ اور انہی آداب و مقاصد کا پابند ہے جو اس کے لئے متعین فرمادیئے گئے ہیں۔ اس رشتہ اخوت کو مضبوط و مستحکم بنانے والی ہر چیز پسندیدہ اور مستحسن ہے اور اس کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز قابل نفرت اور لائق باز پرس ہے۔

اسلامی معاشرے کے افراد کے درمیان اخوت کی روح وہ نصیحت و خیر خواہی ہے جس کی تاکید **الدِّینُ النَّصِيحَةُ** کے ارشاد سے فرمائی گئی اور جسے دوسرے لفظوں میں حسن اخلاص اور حسن نیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس کیفیت کا نام ہے جس میں ایک مومن کی سوچ کا ہر رخ اور عمل کا ہر انداز ملت اسلامیہ کی انفرادی و اجتماعی فلاح اور دین خداوندی کی سرفرازی و کامرانی کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔

صداقتِ شعاری، دیانت و امانت اور پاسِ عہد:

نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ (متفق علیہ)

”بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔“

مزید ارشاد ہوا:

دَغْ مَا يُرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ فَإِنَّ الصَّدَقَ طُمَائِنَةٌ وَالْكَذِبُ رِيْبَةٌ (ترمذی)

”جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ کر اس کو اختیار کر جو شک میں ڈالنے والی نہیں ہے، کیونکہ سچ قلبی طمانیت (کامن) ہے۔ اور جھوٹ شک و

اضطراب (پیدا کرنے والی چیز) ہے۔“

قرآن و حدیث میں صداقتِ شعاری کی تاکید بے شمار مقامات پر آئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صفت اسلام کی تعلیم کردہ صفات میں ایک بڑا اونچا مقام رکھتی ہے۔ اس صفت کو محدود معنوں میں نہیں لینا چاہئے۔ دین میں سچائی دراصل قول و فعل میں مقصود ہے۔ صداقتِ شعاری کا تعلق صرف زبان کے ساتھ سچ بولنے سے نہیں ہے بلکہ پوری عملی زندگی سے ہے۔ ایک چیز پر ایمان لانا اور پھر اس کے عملی تقاضوں کو نظر انداز کر دینا یا اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کرنا راست بازی اور صداقتِ شعاری کے خلاف ہے۔ اسی لئے روزے جیسی اہم عبادت کے مقصودِ حقیقی کو ذہن نشین کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کو اس شخص کے روزے کی کوئی حاجت نہیں ہے جس نے جھوٹ اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سورہ الصف میں فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ - كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ -

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔“
صد اقت ہی کا ایک شعبہ دیانت و امانت اور پاسِ عہد ہے اور ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا لازمہ ایمان ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

آيَةُ الْمَنَافِقِ ثَلَاثٌ: (زَادَ مُسْلِمٌ: وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ) إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُوثِنَ خَانَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

منافق کی تین نشانیاں ہیں، اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، یہ کہ جب بولے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کر گزرے۔“

صبر و استقامت:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ (متفق علیہ)

”اور کسی شخص کو صبر سے بڑھ کر اچھا اور ہمہ گیر عطیہ نہیں دیا گیا۔“

ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے:

الصَّبْرُ ضِيَاءٌ - ”صبر روشنی ہے۔“ (مسلم)

اسی طرح ارشاد فرمایا:

الصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيمَانِ ”صبر نصف ایمان ہے۔“ (بیہقی)

طبرانی میں منقول ہے کہ:

”صبر کرنا اور اللہ کے اجر کی امید پر کام کرنا غلاموں کو آزاد کرنے سے افضل ہے اور ان صفات کے حامل کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے جنت میں داخل کرے گا۔“

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر ایک ایسی صفت ہے جو ظلمتِ کدہ حیات میں انسان کے لئے روشنی کا کام دیتی ہے اور ایک مومن کے لئے دنیا اور آخرت کا سرمایہ ہے۔ صبر کی یہ اہمیت اور فضیلت کیوں ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہاں انسان کو دو حالتوں سے لازماً سابقہ پیش آتا ہے ایک تو یہ ہے کہ یہاں ہر چیز ہماری مرضی اور پسند کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مطابق نہیں ہے، بلکہ ان گنت حالات اور معاملات ہماری مرضی اور پسند کے خلاف ظہور میں آتے ہیں، اور ان کو بدل ڈالنا ہمارے بس میں نہیں ہوتا۔ مثلاً بیماری، رنج و غم، مصائب و مشکلات اور پریشانیاں۔

دوسرے یہ کہ انسان اس زندگی میں جو عقیدہ و مسلک اور طرزِ زندگی اختیار کرتا ہے، اور اپنا جو نصب العین مقرر کرتا ہے اس کی پابندی اور اس کے حصول میں ایک طرف تو اسے باہر کے ماحول سے مزاحمت، تصادم اور کشمکش سے سابقہ پیش آتا ہے، کیونکہ اس کے اس عقیدہ و مسلک اور طرزِ زندگی اور نصب العین کے اثرات اس سے مختلف عقیدہ اور نصب العین رکھنے والوں پر بھی مترتب ہوتے ہیں اور وہ اس پر اپنا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف انسان کو اپنی ذات کے اندر سے بھی بعض مشکلات اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ خود اس کا اپنا نفس بھی بسا اوقات اس کے انتخاب کردہ طرزِ زندگی اور نصب العین کے ناگزیر تقاضوں کو قبول کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں انسان کی جو اخلاقی صفت اس کی دستگیری اور دمسازی کرتی ہے۔ وہ صبر ہے یعنی ایک صبر تو وہ ہے جو انسان بعض غیر اختیاری حالات و مصائب اور پریشانیوں کے مقابلے میں اختیار کرتا ہے اور اس صبر کا مظاہرہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ گھبراہٹ، مایوسی، اضطراب، تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا شکار نہیں ہوتا۔ اور ایک صبر وہ ہے جس کا مظاہرہ اس کی طرف سے اپنے عقیدہ و مسلک اور نصب العین کے معاملے میں مستقل مزاجی، ثابت قدمی، جرأت و حوصلہ، عالی ظرفی اور ضبطِ نفس کی شکل میں ہوتا ہے؟ اور ان دونوں کے نتیجے میں انسان کے اندر ایک طرح کی اخلاقی بلندی، وسعتِ نظر، بلند حوصلگی، سیرت و کردار کی پختگی، خود اعتمادی اور روشن ضمیری کی صفات جنم لیتی ہیں۔ اس طرح یہ صبر انسان کی شخصیت کی تعمیر اور اخلاقی ارتقاء کا ایک زبردست وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر صبر کی صفت اگرچہ ہر انسان کے لئے قوتِ حیات کے بمنزلہ ہے، لیکن ایک مومن تو اس سے ایک لمحے کے لئے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی پوری زندگی ہی دراصل ایک مسلسل پیکار ہے، اولاً اس دنیا میں سرگرم کارِ طاغوتی طاقتوں کے خلاف، اور ثانیاً اس نفس کے خلاف جو ہر لمحہ اس گھات میں لگا رہتا ہے کہ کہاں اس کے ارادے کی باگیں ڈھیلی پڑیں اور وہ اپنے سوار کو زیر کر لے۔

صاحب ”تفہیم القرآن“ نے صبر کی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں، اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے جس سے

ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں میان اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگا تار بڑھتا جائے۔“

(تفہیم القرآن ”جلد ۳ ص ۷۳)

اسی مفہوم کو نہایت سادگی اور جامعیت کے ساتھ ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

”صبر تین طرح کا ہے: مصیبت پر صبر، اطاعت پر صبر (یعنی اس پر ثابت قدمی) اور نافرمانی سے صبر (یعنی اس سے اجتناب) رواہ ابو الشیخ

فی الثواب عن علیؑ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نیک اعمال پر مدد و امت، پیش قدمی اور معاونت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَوَّاهُ صَاحِبُهُ عَلَيْهِ (متفق علیہ)

”اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین وہ ہے جس پر اس کا اختیار کرنے والا ہیئگی اختیار کرے۔“

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: **بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ** ”یعنی نیک اعمال سرانجام دینے میں جلدی کرو۔“ (مسلم)

اسی طرح فرمایا: **مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ أَجْرٌ فَاعِلِهِ** ”جس نے کسی نیک کام کی ترغیب دی، اس کے لئے اس نیکی کو انجام دینے والے کے

برابر اجر ہے۔“ (مسلم)

جس طرح مستقل مزاجی عام دنیاوی معاملات میں کامیابی کی شرط ہے اسی طرح دین کے معاملے میں بھی اسے اختیار کرنے بے حد ضروری ہے کیونکہ نیکو کاری، خدا خونی اور پرہیز گاری ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو بس وقتی جوش کے تحت آدمی اپنا کر پھر غفلت کی نیند سو جائے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری تو انسان کی پوری زندگی میں مطلوب ہیں اور مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ مطلوب ہیں۔ مقصود یہ نہیں ہے کہ آدمی وقتاً فوقتاً نیکیوں کے کچھ کام انجام دے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کی پوری زندگی نیکی، پرہیز گاری اور صلاح و فلاح کی مظہر ہو۔ اس لئے یہ نصیحت فرمائی گئی کہ جو نیکی بھی اختیار کرو اس کو ثابت قدمی سے نبھائو، اس میں اعتدال و توازن کو ملحوظ رکھو اور ایسی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہ کرو کہ کچھ وقت تو خوب جوش و جذبہ دکھاؤ اور پھر سست اور مضطرب ہو کر بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ نیکی کے معاملے میں حد استطاعت و اعتدال سے بڑھ کر پیش قدمی کرنا اس خطرے سے خالی نہیں کہ بعد میں ایسی پسپائی کی نوبت آجائے جو کم از کم معیارِ مطلوب سے بھی تمہیں پیچھے لے جائے۔ اس لئے بہترین طرزِ عمل اعتدال و توازن کو ملحوظ رکھنا اور مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ نیکیوں پر کار بند رہنا ہے۔

اس اعتدال و توازن اور ثبات و استقلال کے ساتھ ایک مومن کی حقیقی شان یہ ہے کہ وہ نیکیوں کے معاملے میں حریص ہو، بھلائی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھائے اور جن اعمالِ صالحہ کی اس کو تعلیم دی گئی ہے ان کی توفیق و استطاعت رکھتے ہوئے ان کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہ کرے۔ نیکیوں کے ساتھ یہ غیر معمولی محبت اور ان کی طرف پیش قدمی میں جلدی کرنے کی صفت ایک بندہ مومن کے اندر اسی وقت نشوونما پا سکتی ہے جبکہ وہ کامل شعور کے ساتھ اخروی زندگی کی کامیابی کو اپنا مطمح نظر بنائے اور دنیوی زندگی پر آخرت کی زندگی ترجیح کو اپنا شعار بنالے۔ ”نیک اعمال کی انجام دہی میں جلدی کرو“ کی نصیحت سے مقصود غفلت کی روش پر تنبیہ کرنا اور ترجیحِ آخرت کی محبت کو دلوں میں راسخ کرنا ہی ہے۔

نیک اعمال پر مدد و امت اور ان میں پیش قدمی کے ساتھ نیکیوں کی طرف رغبت دلانا اور ان میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا بھی محمود و مقصود ہے، اور یہ بجائے خود ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔ **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ** نیکی کی ترغیب اور اس میں تعاون خود آدمی کے اپنے جذبہ خیر کے لئے باعثِ تقویت اور تعمير سیرت میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ اس سے اسلامی معاشرے میں نیکیوں کے نشوونما پانے اور برائیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے دین اور سکڑنے سمٹنے کی فضا پیدا ہوتی ہے اور افرادِ معاشرہ کی بہت سی انفرادی کوتاہیوں اور خامیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ باہمی تعاون و ترغیب سے شخصی سیرت و کردار میں وہ استواری پیدا ہوتی ہے جس کا پیدا کرنا عام حالات میں انفرادی کوششوں سے ممکن نہیں ہوتا۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد:

اعمالِ صالحہ کی طرف پیش قدمی اور نیکی کے لئے ترغیب و تعاون سے اگلا درجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے جس کا ایک مرحلہ جہاد بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (ال

عمران: ۱۰۴)

”تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔“

اس ضمن میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

”تم میں سے جو شخص برائی کو (ہوتا) دیکھے اسے چاہئے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے منع کرے۔ اگر اس کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو دل میں اس کو برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔“ (مسلم۔ روایت حضرت ابو سعید خدریؓ)

حضرت طارق بن شہابؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا جہاد افضل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (نسائی)

یعنی ”ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا۔“

جیسا کہ معلوم ہے، امتِ مسلمہ کا حقیقی مقام اور کردار **حَیْرُ أُمَّةٍ** اور **أُمَّةٌ وَاسِطَةٌ** کا ہے۔ یعنی اسلام کوئی ایسا عقیدہ اور طرزِ زندگی نہیں ہے جس کو انفرادی طور پر اختیار کر لینا کافی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ کافی نہیں ہے بلکہ ممکن بھی نہیں ہے۔ یہ دنیا ایک رزمگاہ ہے جس میں شر کی قوتیں بھی اپنا کام کر رہی ہیں اور خیر کی قوتیں بھی برسرِ کار ہیں۔ یہاں **جُزْبُ اللَّهِ** بھی موجود ہے اور **جُزْبُ الشَّيْطَانِ** بھی۔ یہاں خدا اور اس کے دین پر ایمان لانے والے بھی پائے جاتے ہیں اور ان کا انکار کرنے والے بھی۔ ان دونوں گروہوں کے مابین ایک ازلی تصادم اور کشمکش برپا ہے۔ ایک آدمی اگر چاہے بھی تو اس کشمکش سے دامن بچا کر نہیں گزر سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرنا چاہے تو اس کا میدانِ عمل یہ دنیا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی جائے پناہ کوئی جنگل یا ویرانہ یا کسی پہاڑ کی کھوہ ہی ہوتی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ راہِ فرار اختیار کر کے ایک شخص ایک طرف تو زندگی کا میدانِ برائی کی قوتوں کے لئے خالی کرتا اور بھلائی کی قوتوں سے اپنا رشتہ توڑ کر ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور دوسری طرف زندگی کی امتحان گاہ کے بہت سے پرچے چھوڑ کر اپنی سیرت و کردار کی مثبت اور صالح تعمیر کے مواقع ضائع کرتا اور خالق کائنات کے مقرر کردہ مقصدِ تخلیق سے روگردانی کرتا ہے۔ اس لئے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمان کا کردار اس رزمگاہِ خیر و شر میں بالکل متعین ہے۔ اس کو اپنی ذاتی سیرت و کردار کی تعمیر اسی مقصدِ تخلیق کے پیش نظر کرنی ہے اور اسی کے تقاضوں کی تکمیل کے ذریعے سے کرنی ہے۔ پھر مقصود صرف ذاتی اصلاح و تہذیب اور تعمیرِ کردار ہی نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت کا قیام بھی ہے جو نیکوں کا حکم دینے والی اور برائیوں سے روکنے والی ہو تاکہ دنیا کی زمامِ کار خدا کے باغیوں کے ہاتھ سے نکل کر خدا کے وفاداروں کے ہاتھ میں آئے اور انسانِ نیابتِ الہی کے اعزاز اور خلافتِ ارضی کے منصب کا صحیح اہل اور مصداق ثابت ہو سکے۔

مومن کا یہ مقام جس قسم کی اخلاقی عظمت اور صلابت کردار کا طالب ہے وہ محض وعظ و نصیحت یا نیک خواہشات سے پیدا نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے لئے مہمِ ریاضت، مسلسل سعی و جہد اور مستقبلِ محاسبہٴ نفس کی ضرورت ہے۔ بندہٴ مومن کو صرف اپنے نفس کے غلط داعیات و رجحانات ہی کے خلاف جنگ نہیں کرنی ہے بلکہ خارج میں پھیلی ہوئی برابری اور بغاوت و سرکشی کے خلاف بھی نبرد آزما ہونا ہے، چنانچہ مسلسل مشق و تمرین، پیہم سعی و جہد اور مستقل حرکت و عمل ہی اس کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ کردار کی اس عظمت کو پہنچے جو ایک مجاہد کا حصہ ہوتی ہے۔ اسلام درحقیقت ایسے مجاہدین فی سبیل اللہ کی ایک جماعت تیار کرنا چاہتا ہے جو نیکوں کے فروغ اور غلبے اور برائیوں کی بیخ کنی اور خاتمے کے لئے اپنی اجتماعی جدوجہد کو بروئے کار لائیں اور اقامتِ دین کی منزل کی طرف مسلسل پیش قدمی کرتے ہوئے توفیقِ ربانی سے اس کو حاصل کر لیں۔

پس یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کردار دراصل ایک مجاہدانہ کردار ہے اور انفرادی اصلاح اور تعمیرِ سیرت کی کوئی کوشش صحیح معنوں میں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کردار کو اختیار نہ کیا جائے۔ وہ ساری صفات جن کا گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے (دوسری بہت سی ایسی صفات سمیت جن کا ذکر ازراہ اختصار نہیں کیا گیا) دراصل ایک بندہٴ مومن کو اسی مجاہدانہ کردار کے لئے تیار کرتی ہیں، اور اس کو ان تمام اخلاقی ہتھیاروں سے مسلح کرتی ہیں جو اس رزمگاہِ خیر و شر اور مصافحہٴ حق و باطل میں اس کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ درحقیقت سیرت و کردار کا یہی وہ بلند ترین مقام ہے جس پر پہنچنا رضائے الہی کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور اسی سیرت و کردار کے ساتھ زندگی گزارنا دنیوی فلاح اور اخروی نجات کی ضمانت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تعلیم کردہ اخلاقی حسنہ کا مقصد اسی سیرت و کردار کو پیدا کرنا اور پروان چڑھانا ہے۔ قرآن و حدیث کے تعلیم کردہ اخلاقی حسنہ کا مقصد اسی سیرت و کردار کو پروان چڑھانا ہے۔ قرآن و حدیث میں جن منفی صفات و اخلاق (مثلاً تکبر، ظلم، سنگدلی، جھوٹ، غصہ، فحش گوئی اور بدزبانی، غیبت، چغلی، حسد، عیب چینی، بخل، خیانت، نفاق، فریب، بزدلی، کینہ پروری اور بدخواہی وغیرہ) سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان کا مقصد بھی دراصل مومن کے اندر اخلاقی فاضلہ ہی کی تکمیل اور افزائش ہے اور ان سے بچنا اسی لئے ضروری ہے کہ ایک مومن کے حقیقی کردار اور اخلاقی مرتبہ و مقام کے ساتھ ان رذائل کی کوئی مناسبت ہی نہیں ہے!

جناب منظور احسن عباسی

تو کائناتِ حسن ہے یا حسن کائنات

”وہ کائنات حسن ہے یا حسن کائنات“	تابندہ جس کی ضو سے ہے ایوانِ شش جہات
وہ جس کی بات بات میں شیرینی نبات	وہ جس کا لفظ لفظ حقیقت کا ترجمان
افعال جس کے معنی آیاتِ بینات	اقوال جس ک شرح کتابِ مبین اور
جس کی نمود لمحہ طورِ تجلیات	جس کا وجود شانِ خداوند ذوالجلال
وہ جس کے عطر بیز ہیں انفاسِ طیبات	وہ جس کے فیض دم سے معطر مشام جاں
خیر الوری، حبیبِ خدا، فخر کائنات	ختم الرسل، امام ام، ہادی سُبُل
آئینہ دار ذاتِ خدا مظہر صفات	ظِلّ الہ، رحمتِ عالم، شفیع حشر
روشن ہے جس کی لو سے رہ منزل حیات	ہر نقش پائے احمدِ مرسل ہے ایک شمع
احسن وہ جس کے عارض و گیسو کی یاد میں	
ہر روز روزِ عید ہے، ہر شب شبِ برات	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تعارف و تبصرہ کتب

ائمہ تلمیذین حصہ اول	:	مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
صفحات	:	۵۰۴
قیمت	:	۲۴ روپے
پتہ	:	مکتبہ تعمیر انسانیت۔ گوجرگلی، موچی دروازہ، لاہور
شانخ	:	۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور اہل قلم اور کثیر التصنیف فاضل ہیں۔ انہوں نے بالخصوص دشمنانِ دین اور گمراہ فرقوں پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کافی وزنی ہے۔

ائمہ تلمیذین بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں مصنف نے چودہ صدیوں کے جعلی بزرگوں، بناپستی نبیوں خانہ ساز مسیحیوں، جھوٹے مہدیوں اور مرقاتی خداؤں کا اس انداز سے تعارف کرایا ہے کہ اسے پڑھ کر انسان کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ:

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ أَنْصَارِكُمْ

حصہ اول میں ۴۱ شاطروں اور مایٹوں کے مارے جلساڑوں کی ہسٹری بیان کی گئی ہے اور وہ اس قدر پر لطف ہے جیسے جنت الحمقاء کی سیر ہو رہی ہو۔ ان کے تذکار سے جو بات مترشح ہوتی ہے یہ ہے کہ ان جھوٹے مدعیوں کے جھوٹے دعووں اور جلساڑیوں کی محرک صرف دو باتیں تھیں۔

۱۔ سیاسی: سیاسی اور جاہ پرستی کی خواہش تھی کہ شاطر لوگوں نے حصولِ اقتدار کے لئے مسیحیت مہدویت اور نبوت کے زینے تلاش کیے۔

۲۔ مرقا: یا اس کا دوسرا محرک، جنون، مایٹوں اور مرقا تھا کہ سوداء نے ترقی کی تو یار لوگ لگے بڑبڑانے، کسی نے کہا میں مہدی ہوں، کوئی بولا میں نبی ہوں، تیسرا اٹھا اور کہا کہ میں مسیح ہوں، ابن مریم ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ جب جوتے پڑے تو بعض بول اٹھے، کہ ہم جھوٹے تھے، ہم توبہ کرتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں خواہشیں اور داعیے ہمیشہ موجود رہے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ اس قماش کے لوگوں کی نفسیات، ہتھکنڈوں اور شرارتوں کے پیچ و خم سے ہر مسلمان کو باخبر ہونا چاہئے تاکہ جب یہ فتنہ سر اٹھائے تو موقع پر ہی اس کی سرکوبی کی جاسکے۔

(عزیز بیدی)

(۲)

تالیف	:	کشف الاسرار
مؤلف	:	مولانا محمد صدیق صاحب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ، لائل پور
مرتب	:	محمد سلیمان اظہر (ایم۔ اے)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ناشر : عمیر اکیڈمی۔ گلی نمبر ۴، محلہ رحمت آباد، پوسٹ بکس نشاط آباد لائل پور
طباعت : عمدہ
قیمت : ۶ روپے

زیر نظر تالیف، ایک شیعہ عالم مولوی غلام سلیمین صاحب کی طرف سے اہل سنت و جماعت پر کیے گئے ۲۴ اعتراضات کا مدلل جواب ہے اور درحقیقت یہی اعتراضات الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ اہل تشیع اکثر اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کے ایثار، خاندان رسالت سے ان کی رشتہ داریاں، ان کے فضائل اور مشاجرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح واقعہ قرقطاس، طائفہ منصورہ، اذان میں ”الصلوة خیر من النوم“ کا ثبوت اور تصور امامت جیسے مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ بعض روایات جو خوش عقیدہ سنی حضرات بھی پیش کر دیتے ہیں ان کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ”انامدینۃ العلم و علی بابہا“ اسی قبیل کی روایت ہے۔

کتاب پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا محمد صدیق صاحب کی شیعہ لٹریچر پر گہری نظر ہے اور وہ اپنے موضوع سے بطور احسن عہدہ بر آہوئے ہیں۔ پروفیسر سلیمان اظہر صاحب بھی مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے کتاب کی نوک پلک سنوایا ہے۔ کتابت کی اغلاط ذوق پر گراں گزرتی ہیں۔ (ابوشاہد)